مارچ ۱۹۶۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت
فی پرچہ : ساٹھ پیسے
سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

ماہنامہ **میثاق** لاہور

جلد ۶	رمضان ۔ شوال ۱۳۸۱ھ	شمارہ ۳

فہرست مضامین

تذکرہ وتبصرہ ـــــــ امین احسن اصلاحی ـــــ ۲

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ بقرہ ـــــــ " ـــــــ ۵

مطالعہ حدیث

مثلہٗ معہٗ ـــــــ مولانا عبدالغفار حسن صاحب ۲۳

افادات حافظ ابن قیمؒ

قرآنی کلمات کی حکیمانہ ترتیب ـــــ " ـــــ ۲۹

مقالات

اتباعِ نفس ـــــــ مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی ۴۲

اقتباسات وتراجم

انگریزوں کا جذبہ انفاق ـــــ ادارہ اجمل بارغ ـــــ ۵۰

تقریظ وتنقید ـــــــ ۵۴

خط وکتابت

اور

ترسیلِ زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ "میثاق"

رحمان پورہ، اچھرہ لاہور ۱۴

★

ہندوستانی خریداروں

کیلئے

ترسیلِ زر کا پتہ:

منیجر ماہنامہ "الفرقان"

کچہری روڈ ۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ وتبصرہ

پچھلے مہینہ میں دو تین دنوں کے اندر اندر، ہماری قوم کو یکے بعد دیگرے اپنے دو بڑے آدمیوں کی وفات کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک مولانا احمد علی صاحب امیر جماعت خدام الدین۔ دوسرے حمید نظامی صاحب ایڈیٹر نوائے وقت۔

مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ ہماری قدیم تعلیم و تربیت کی ایک نہایت اعلیٰ یادگار تھے۔ دینی علوم بالخصوص تفسیر قرآن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ شریعت کے ساتھ ساتھ وہ رموز طریقت کے بھی محرم اسرار تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کی زندگی گوشہ نشینی کی زندگی نہیں تھی بلکہ جہاد اور عمل کی زندگی تھی۔ انہوں نے تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد ہر جہت سے اسلام کی خدمت کی اور وفات کے روز تک اسی خدمت میں مصروف رہے۔ حق کے معاملہ میں مداہنت اور مصلحت پرستی کے قائل نہیں تھے۔ اس وجہ سے جوانی اور بڑھاپے دونوں میں قید و بند کے مصائب سے دوچار ہوئے اور مومنانہ عزیمت کے ساتھ ان مصائب کے مقابلہ کی توفیق پائی۔ ان کی زندگی فقر و درویشی کی زندگی تھی اور جہاں تک ہمیں علم ہے انہوں نے اسی فقر و درویشی کی وراثت اپنے آل و اولاد کی طرف بھی منتقل فرمائی۔ ہمارے نزدیک کسی شخص کے عالم حقانی ہونے کی یہ ایک ایسی شہادت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمان تلمذ یا بیعت کی نسبت رکھتے تھے جن میں امیر و غریب سب

ہی قسم کے لوگ تھے لیکن اس ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے باوجود وہ اس دنیا سے جس شان استغنا کے ساتھ دامن جھاڑ کے اٹھے ہیں وہ کم از کم اس دور دنیا پرستی میں بڑی چیز ہے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک بے مثال چیز قرار دیتا، اگر اس وقت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یاد نہ آگئے ہوتے جو ابھی کل ہی ہم سے رخصت ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنے اندر سطوت تو فاتحوں کی رکھتے تھے لیکن زندگی انہوں نے قلندروں کی طرح گزاری اور اسی قلندرانہ شان کے ساتھ جان جان آفرین کے سپرد کی۔ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی تربت ٹھنڈی رکھے، ان کو اپنی مغفرت سے نوازے اور ان کی خدمتوں اور نیکیوں کا ان کو صلہ عطا فرمائے۔

حمید نظامی مرحوم تھے تو نئی تعلیم کے ثمرات میں سے لیکن ان کا شمار ان لوگوں میں کیا جائیگا جو اس تعلیم کے برے اثرات سے محفوظ رہے اور جنھوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے قوم و ملت کو بڑے فائدے پہنچائے۔ ان کی صلاحیتیں تحریک پاکستان کے دور میں ابھریں اور اس شان سے ابھریں کہ دیکھتے دیکھتے وہ ایک اخبار نویس کی حیثیت سے پورے ملک کے ذہنوں اور دماغوں پر چھا گئے۔ انھوں نے سنجیدہ اور با اصول اخبار نویسی کی ایک عمدہ مثال قایم کی اور اس طرح اردو صحافت کی آبرو اتنی بڑھائی کہ جو لوگ اردو اخبارات پڑھنا اپنے لئے کسر شان سمجھتے تھے وہ بھی اردو اخبار پڑھنے لگے۔ ان کی صحافتی زندگی ہر قسم کے نشیب و فراز سے گزری لیکن وہ اپنے اصولوں سے کبھی منحرف نہیں ہوئے۔ ایک زمانہ میں ان کے زور و اثر کا یہ عالم تھا کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ وہ وزارت تو در کنار، وزارت گری کے مقام تک پہنچ گئے تھے، پھر وہ دور آیا کہ ان کے اور ان کے اخبار کے لئے ہر لحظہ خطرہ ہی خطرہ نظر آتا تھا۔ لیکن ان کی سنجیدگی اور توازن اور ان کی جرأت میں کوئی فرق نہ اُس حالت سے آیا نہ اس دوسری حالت سے۔ خود مارشل لا کے دور میں بھی انہوں نے ملک کے حکمرانوں کو جس اخلاص اور جس جرأت کے ساتھ مشورے دیے ہیں اور جس صاف گوئی کے ساتھ قابل تنقید چیزوں پر تنقیدیں کی ہیں اس کی قدر اسلام اور جمہوریت کا ہر قدردان کرے گا اور ہمیشہ کرے گا۔ وہ اس معاملہ میں اسلام اور جمہوریت کے تمام مدعیوں پہ بازی لے گئے اور نہایت شاندار بازی لے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان نیکیوں کو قبول فرمائے اور ہمارے ملک

کی صحافت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ان مرحومین کا ذکر کرتے ہوئے وہ بات مجھے پھر یاد آرہی ہے جو ان صفحات میں بار بار لکھ چکا ہوں۔ یعنی یہ کہ اچھے اچھے لوگ ہمارے اندر سے یکے بعد دیگرے اٹھتے تو چلے جارہے ہیں لیکن ان کی جگہیں لینے والے نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ نہ دین کے محاذ کے لیے نہ دنیا کے محاذ کے لئے۔ علم عمل، اخلاق، کردار، صلاحیت ہر چیز روز بروز زوال پذیر ہے۔ اور اس زوال کو روکنے اور تھامنے کے لیے کوئی تدبیر قوم کے ذمہ داروں کی طرف سے نہیں ہو رہی ہے بلکہ ہمیں تو یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ اس وقت جو تدبیریں عمل میں لائی جارہی ہیں وہ اس زوال کی رفتار کو تیز تر کرنے والی ہیں۔ قوموں کے اندر اچھے اشخاص جنگل کے خودرو درختوں کی طرح نہیں پیدا ہوتے بلکہ اعلیٰ تعلیم وتربیت، اچھے ماحول اور قابل تقلید مثالوں کی رہنمائی سے وہ پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے قوم کے ارباب حل وعقد کو بڑی فکریں کرنی پڑتی ہیں اور بڑے اسباب و وسائل فراہم کرنے پڑتے ہیں تب جاکر کہیں اس کا امکان ہوتا ہے کہ قوم کو برابر ایسے اشخاص ملتے رہیں جن کے ہاتھوں میں اس کے مستقبل کے محفوظ ہونے کی توقع کی جاسکے۔

یہ سطریں لکھی جا چکی تھیں کہ اخبارات میں مسٹر شعیب قریشی کی وفات کی اطلاع نظر سے گزری۔ یہ اس دوران کا تیسرا حادثہ ہے اور یہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا اہم حادثہ ہے۔ شعیب صاحب مرحوم تحریک خلافت کے دور کے نہایت اہم قومی کارکنوں بلکہ لیڈروں میں سے تھے۔ ان کے اعلیٰ ذہنی و اخلاقی اوصاف کی وجہ سے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، بعد میں یہ بھوپال اور پھر پاکستان میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہمیں مرحوم سے نیاز تو حاصل نہیں تھا۔ لیکن ان کے اچھے اوصاف کی تعریفیں ان کے جاننے والوں کی زبانی سنی تھیں اور مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے دل میں ان کے لئے، ایک احترام کی جگہ تھی اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ بقرہ

(۲۳)

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ | اوپر والا جملہ، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، بطور استدراک یا جملہ معترضہ کے ہے اس وجہ سے اس جملہ کا عطف لازماً مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر ہے مطلب یہ ہے کہ ایک تو انھوں نے ان علوم سفلیہ کی پیروی کی جو سلیمانؑ کے عہد حکومت میں شیاطین کے ذریعہ سے رواج پائے۔ دوسرے اس چیز کی پیروی کی جو بابل کی اسیری کے زمانہ میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتاری گئی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان فرشتوں پر کیا چیز اتاری گئی تھی؟ اس سوال کا جواب عام طور پر مفسرین نے یہ دیا ہے کہ یہ جادو کا علم تھا۔ لیکن یہ جواب کئی پہلوؤں سے کھٹکتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کا عطف، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر ہے جس سے مراد خود قرآن کی تشریح کے مطابق جادو ہے۔ اب اگر اس سے بھی مراد جادو ہی ہے تو اس کے علیحدہ ذکر کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ عربی زبان میں جب اس طرح معطوف اور معطوف علیہ آئیں تو عام اصول کے مطابق ان میں ایک حد تک مغایرت ہونی چاہیئے۔ بغیر کسی خاص قرینہ کے اہل زبان اس عام ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ یہاں دونوں کے ایک ہی چیز ہونے کا نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ موجود نہیں ہے بلکہ قرائن اس کے خلاف ہیں۔

دوسرا یہ کہ اس کے لیے اُنْزِلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا واضح مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا تھا۔ اس لفظ میں عنایت اور افادیت کی جو شان ہے اس کو

سامنے رکھتے ہوئے سحر جیسی شیطانی ناپاک اور سراسر باطل بلکہ کفریہ چیز کے لئے اس کا استعمال ذوق پر سخت گراں گذرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ چوپایوں اور لوہے وغیرہ جیسی چیزوں کے پیدا کئے جانے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن محض اتنی بات جادو کے لئے اس لفظ کی موزونیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ لوہا اور چوپائے وغیرہ تمدنی اور معاشی نقطہ نظر سے ہمارے لئے نہایت خیر و برکت کی چیزیں ہیں اس وجہ سے ان کے لئے تو اس کا استعمال سمجھ میں آتا ہے لیکن ہمارے علم میں قرآن میں کہیں بھی یہ لفظ کسی ایسی چیز کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے جو جادو کی طرح کفریہ اور شیطانی ہو۔ کفار پر عذاب الٰہی نازل کرنے کے لئے بھی اس کا استعمال ہوا ہے لیکن کفار پر جو عذاب آتا ہے وہ اہل ایمان کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ اور اس سے خدا کی زمین کی تطہیر ہوتی ہے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ خیر ہو یا شر دنیا میں جو چیز بھی پائی جاتی ہے خدا کی مشیت ہی کے تحت پائی جاتی ہے۔ لیکن خدا کی مشیت کے تحت کسی باطل کو مہلت ملنا اور چیز ہے اور سحر جیسے شیطانی علم کا دو فرشتوں پر اتارا جانا بالکل دوسری چیز ہے۔

تیسرا یہ کہ یہ علم جیسا کہ الفاظ قرآن سے واضح ہے، دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔ صرف اتارا ہی نہیں گیا تھا بلکہ یہ فرشتے لوگوں کو اس علم کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ فرشتوں کے متعلق یہ بات مسلم ہے کہ شرک و کفر کی ہر آلائش سے ان کے دامن پاک ہیں۔ ان کے مزاج اللہ تعالیٰ نے ایسے بنائے ہیں کہ اس طرح کی کسی گندگی کی ان کو کبھی چھوت بھی نہیں لگتی۔ فرشتے ہمیشہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و عدل کے قیام اور خیر و فلاح کی دعوت و تعلیم کا ذریعہ بنے ہیں۔ اور یہی چیزیں ان کے شایان شان ہیں اس وجہ سے جادو کے علم کا ان پر اترنا اور ان کا اس کی اشاعت کرنا (اگرچہ کتنی ہی احتیاط کے ساتھ کیوں نہ ہو) عقل سے بعید بات ہے۔ اگر فرشتے اس طرح کے کام کرنے لگ جائیں تو پھر شیاطین کے لئے کیا کام باقی رہ جائے گا۔

چوتھا یہ کہ فرشتوں نے اپنے اس علم کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے بھی کچھ ایسا ہی مترشح ہوتا ہے کہ ان کا علم شیاطین کے سحر سے کچھ مختلف خصوصیات رکھتا تھا۔ شیاطین کا علم تو جیسا کہ قرآن مجید نے خود وضاحت کر دی ہے یکسر کفر تھا لیکن فرشتوں نے اپنے علم کے لئے فتنہ کا

لفظ استعمال کیا ہے۔ فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔ قرآن میں اس سے عموماً وہ چیزیں مراد لی گئی ہیں جو پیدا تو کی گئی ہیں اصلاً انسان کی نفع و بہبود کے واسطے لیکن انسان اپنے استعمال کی غلطی سے یا ان کی حد سے بڑھی ہوئی محبت میں گرفتار ہو کر ان کو اپنے لئے فتنہ بنا لیتا ہے۔ اور وہ اس کے لئے مفید ہونے کے بجائے مضر بلکہ مہلک بن کر رہ جاتی ہیں۔ مثلاً مال اولاد کو قرآن مجید میں فتنہ کہا گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں بجائے خود شر نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اگر انسان ان کے صحیح مقام کو پہچانے تو یہ اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں نفع پہنچانے والی بن سکتی ہیں لیکن جب انسان ان کی بیجا محبت میں گرفتار ہو کر ان کے پیچھے خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے تو یہی چیزیں اس کے لئے وبال اور عذاب بن کے رہ جاتی ہیں کیونکہ بعض حالات میں آدمی کو ان کی محبت کفر تک پہنچا کے چھوڑتی ہے۔

یہ سارے پہلو اس بات کے خلاف ہیں کہ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ سے جادو مراد لیا جائے لیکن اگر جادو نہ مراد لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جس کا فرشتوں پر اتر نا موزوں بھی ہو اور جس کے انہماک یا غلط استعمال سے وہ خرابیاں بھی پیدا ہو سکتی ہوں جو یہاں اس علم کی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کا انہماک کتاب اللہ سے برگشتہ کرتا ہو، اس کی نوعیت ایک فتنہ کی ہو جس کے غلط استعمال سے آدمی کفر میں پڑ سکتا ہو، اس کو بد طینت لوگ میاں اور بیوی کے تعلقات کو خراب کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہوں۔

ہمارے نزدیک اس سے مراد اشیا اور کلمات کے روحانی خواص و تاثیرات کا وہ علم ہے جس کا رواج یہود کے صوفیوں اور پیروں میں ہوا اور جس کو انہوں نے گنڈوں تعویذوں اور مختلف قسم کے عملیات کی شکل میں مختلف اغراض کے لئے استعمال کیا۔ مثلاً بعض امراض یا تکالیف کے ازالہ کے لیے یا نظر بد اور جادو وغیرہ کے برے اثرات دور کرنے کے لیے یا شعبدہ بازوں وغیرہ کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے یا محبت اور نفرت کے اثرات ڈالنے کے لئے۔

یہ علم اس اعتبار سے جادو اور نجوم وغیرہ کے علم سے بالکل مختلف تھا کہ اس میں نہ تو شرک کی کوئی ملاوٹ تھی اور نہ اس میں شیطان اور جنات کو کوئی دخل تھا لیکن اپنے اثرات و نتائج کے پیدا کرنے میں یہ جادو ہی کی طرح زود اثر تھا۔ ممکن ہے نبی اسرائیل کو یہ علم بابل کے

زمانہ اسیری میں دو فرشتوں کے ذریعہ سے اس لیے دیا گیا ہو کہ یہ اس کے ذریعہ سے بابل کی سحر ساحری کا مقابلہ کر سکیں اور اپنی قوم کے کم علموں اور سادہ لوحوں کو جادوگروں کے رعب سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس بات کی طرف ہمارا ذہن دو وجہوں سے جاتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل میں سحر و ساحری اور نجوم کا بڑا زور تھا[۱]۔ دوسری یہ کہ یہ بات سنت اللہ کے موافق معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی جگہ ایک غلط علم کا رعب اور زور ہو، جس سے مفسد لوگ فائدہ اٹھا رہے ہوں تو وہاں اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ کے لئے اہل ایمان کو۔ کوئی ایسا علم بھی عطا فرمائے جو جائز اور نافع ہو۔

هَارُوتَ وَمَارُوتَ: قرآن سے واضح ہے کہ خدا کے دو فرشتے تھے اس وجہ سے تفسیر کی کتابوں میں ان کے متعلق جو فضول سا قصہ منقول ہے، وہ ہمارے نزدیک بالکل ناقابل التفات ہے۔ وہ ملکوتی صفات کے ساتھ دنیا میں بھیجے گئے تھے اور ملکوتی صفات کے ساتھ ہی یہاں رہے۔ ان کا علم بھی جیسا کہ عرض کیا گیا، ایک جائز اور مفید علم تھا لیکن یہود نے اپنے اخلاق کی پستی اور مذاق کی خرابی کی وجہ سے اس کو بری نیت سے سیکھا اور برے مقاصد ہی میں استعمال کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علم بھی ان کے ہاں سحر و ساحری کا ایک ضمیمہ بن کے رہ گیا اور اس کی دلچسپیوں میں وہ ایسا کھوئے گئے کہ کتاب اللہ سے اول تو انھیں کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہ گیا اور اگر رہا بھی تو محض عملیات اور تعویذوں کے حد تک کہ فلاں آیت کے پھونکنے سے یہ فائدہ ہوا کرتا ہے اور فلاں آیت کے تعویذ سے یہ اثر پڑتا ہے۔

ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا اس طرح کا علم دنیا میں اپنا کوئی

---

[۱] یسعیاہ نبی بابل سے خطاب کر کے فرماتے ہیں: "تیرے جادو کی کثرت اور تیرے سحر کی افراط کے باوجود یہ مصیبتیں پورے طور سے تجھ پر آپڑیں گی۔ ...... تجھ پر مصیبت آپڑے گی جس کا منتر تو نہیں جانتی ۔ ۔ ۔ اب اپنا جادو اور اپنا سارا سحر جس کی تو نے بچپن ہی سے مشق کر رکھی ہے استعمال کر ۔ ۔ ۔ ۔ اب افلاک پیما اور منجم اور وہ جو ماہ بماہ آئندہ حالات دریافت کرتے ہیں اٹھیں۔ اور جو کچھ تجھ پر آنے والا ہے اس سے تجھ کو بچائیں" (یسعیاہ ۴۷ : ۸ - ۱۳)

وجود بھی رکھتا ہے تو اس کے جواب میں ہماری گذارش یہ ہے کہ اس کا انکار ایک بالکل بدیہی بات کا انکار ہے۔ اگرچہ میں خود اس طرح کے کسی عمل کا کبھی عامل نہیں بنا لیکن متعدد بار میرے اپنے تجربہ میں ایسی باتیں آئی ہیں جن کے بعد میرے لئے اس چیز کا انکار ممکن نہیں رہا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ اسی علم کے باقیات ہیں جن کو ہمارے صوفیوں اور پیروں کے ایک طبقہ نے اپنایا اور اس سے انہوں نے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچایا بلکہ واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات میں اس کی مدد سے انہوں نے جوگیوں اور جوتشیوں وغیرہ کے مقابل میں اسلام اور مسلمانوں کی برتری بھی ثابت کی لیکن اخلاقی زوال کے بعد جس طرح یہود کے ہاں یہ علم علوم سفلیہ کا ایک ضمیمہ اور دوکانداری کا ایک ذریعہ بن کے رہ گیا اسی طرح ہمارے یہاں بھی یہ صرف پیری مریدی کی دوکان چلانے کا ذریعہ بن کر رہ گیا۔ اور حق سے زیادہ اس میں باطل کے اجزا شامل ہو گئے جس کے سبب سے لوگوں پر اس کے اثرات بھی وہی پڑے جو قرآن نے بیان فرمائے۔

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ	جس طرح وماکفر سلیمان و الاٹکڑا بطور جملہ معترضہ کے حضرت سلیمانؑ کی برئیت کے لئے وارد ہوا

ہے اسی طرح یہ ٹکڑا بطور استدراک ان فرشتوں کی برئیت کے لئے وارد ہوا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ اپنے اس علم کا اگر کسی پہ انکشاف کرتے تو ساتھ ہی اس کو یہ تنبیہ بھی ضرور کر دیتے کہ دیکھو، ہمارا یہ علم ایک فتنہ ہے تو تم اس کو برے مقاصد میں استعمال کر کے کفر میں نہ پڑ جانا بلکہ اس کو صرف اچھے مقاصد ہی میں استعمال کرنا۔

فتنہ کے مفہوم کی طرف ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی تمام دنیوی نعمتیں، بیوی بچے، مال و جاہ، اقتدار اور سلطنت وغیرہ دو دھاری تلوار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان اگر ان سے صحیح کام لے تو یہ اس کے لئے نعمت ہیں اور اگر ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جائے تو یہ اس کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ علم بھی مضرت و منفعت کے دونوں پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کو لوگوں کی خدمت میں استعمال کر کے اس سے ثواب بھی کمایا جا سکتا ہے۔ اور اس کو انتشار اور تفرق کا ذریعہ بنا کر اس سے گمراہی اور ہلاکت کا سامان بھی کیا جا

سکتا ہے۔ چونکہ انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو زیادہ تر غلط ہی استعمال کرتا ہے اس وجہ سے فرشتوں نے ایک خیرخواہ معلم کی طرح اپنے سے ہر ربط پیدا کرنے والے کو پہلے سے آگاہ کر دیا کہ ہمارا علم ایک شمشیر دودم کی حیثیت رکھتا ہے اگر کوئی اس کو سیکھ کر اس کو برے مقاصد میں نہ استعمال کرے ورنہ اس طرح وہ کفر و شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

یہاں فرشتوں کے تعلیم دینے کے معاملہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے جس سے بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کو انسانی روپ میں تعلیم دیتے تھے۔ اگر یہ بات ہو تو اس میں کوئی خاص استبعاد نہیں ہے متعدد ایسے واقعات کا خود قرآن سے پتہ چلتا ہے جب فرشتے انسانوں کے اندر خود انسانوں کی شکل و صورت میں نمایاں ہوئے ہیں لیکن امکان اس بات کا بھی ہے کہ عملیات کے دلدادہ لوگ کسی خاص قسم کی ریاضت اور چلہ کشی کے ذریعہ سے ان سے روحانی قسم کا ربط پیدا کر کے یہ تعلیم حاصل کرتے رہے ہوں۔ اگر مطلب یہ لیا جائے تو قرآن کے الفاظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے خلاف جاتی ہو۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ	یعنی فرشتوں کی مذکورہ بالا تنبیہ کے باوجود لوگ خاص طور پر ان سے ان عملیات کی تعلیم حاصل کرتے تھے

جن کے ذریعے سے شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال سکیں۔ اس ٹکڑے سے یہود کے فساد اخلاق اور انکی پست ہمتی اور دنائت پر روشنی پڑتی ہے کہ ان کی سب سے زیادہ رغبت اس عمل سے تھی جس کو کسی میاں بیوی کے رشتہ محبت کو قطع کرنے کے لئے بطور مقراض استعمال کر سکیں۔ حالانکہ میاں بیوی کے رشتہ کے استحکام پر پورے نظام تمدن کے استحکام کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی مذہبی جماعت اپنے علم کو اس بنیاد کے اکھاڑنے میں لگا دے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نے شیطان کے کرنے کا جو کام تھا اسکو خود سنبھال لیا جو علم اس مقصد کیلئے استعمال کیا جائے اس سے معاشرے کے صرف غنڈوں اور بدمعاشوں ہی کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ اور محبت و نفرت پیدا کرنے کے علم کا اس سے زیادہ مہلک استعمال کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس سے صحیح کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ جس سے لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهِ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ	یہ ٹکڑا بھی بطور استدراک کے ہے۔ یعنی

ان عملیات کے شائقین یہ سمجھنے میں کہ یہ چیزیں بجائے خود نافع اور ضار ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ اعمال شیطانیہ ہوں یا اعمال روحانیہ ان سے اگر کسی کو نفع یا ضرر پہنچتا ہے یا پہنچایا جاسکتا ہے تو صرف اللہ کے اذن اور اس کی مشیت کے تحت۔ یہ چیزیں بذات خود موثر نہیں ہیں۔

اس استدلاک سے اس توحید و اخلاص کو اجاگر کیا گیا ہے جو قرآن کی تمام تعلیمات کی بنیاد ہے۔ ایک موحد کو اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اللہ کی کتاب کے ہوتے ہوئے اول تو وہ اس طرح کی چیزوں کی طرف رغبت ہی نہ کرے ثانیاً اگر ان میں سے کوئی چیز اس کے علم میں آئے تو اس کو موثر بالذات نہ مانے نیز اگر اس طرح کی کسی چیز سے اس کو ضرر کا اندیشہ لاحق ہو تو صرف اللہ واحد ہی کی طرف مدد کے لئے رجوع کرے ٹونوں ٹوٹکوں اور عاملوں اور سیانوں کے چکر میں نہ پھنسے۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ	یہ ٹکڑا سیکھنے والوں کی اخلاقی اور ذہنی پستی کو ظاہر کر رہا ہے۔

جو علم وہ سیکھتے تھے وہ بجائے خود تو جیسا کہ ظاہر ہوا اپنے اندر نفع و نقصان دونوں کے پہلو رکھتا تھا لیکن سیکھنے والوں کی ذہنیت وہی ہوتی تھی جو اوپر مذکور ہوئی کہ اس کے ذریعے سے کسی جوڑے کے درمیان تفریق کرائیں، جن میں الفت ہے ان کے درمیان نفرت کے بیج بوئیں، جن میں وصل ہے ان میں فصل پیدا کریں۔ اپنے اس فسادنیت کی وجہ سے انھوں نے اس کے نفع کے پہلو کو بالکل ہی ختم کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ	یعنی یہود کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جو لوگ اس طرح کے فتنوں میں پڑیں گے۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ

نہ ہوگا۔ تورات میں نہایت واضح الفاظ میں انہیں ان چیزوں سے روک دیا گیا تھا۔ استثناء باب ۱۸ - آیات ۹ تا ۱۲ ملاحظہ ہوں۔

"جب تو اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے پہنچ جائے تو وہاں کی قوموں کی طرح مکروہ کام کرنے نہ سیکھنا۔ تجھ میں ہرگز کوئی ایسا نہ ہو جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں چلوائے یا فالگیر یا شگون نکالنے والا یا افسوں گر یا جادوگر یا منتری یا جنات کا آشنا یا رمال یا ساحر ہو۔ کیونکہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں خدا کے نزدیک مکروہ ہیں اور انہی مکروہات کے سبب

سے خداوند جیر اخداپنے سامنے سے ان کو نکالنے پر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان واضح تنبیہات کے باوجود یہود نے ان ساری چیزوں کو اختیار کیا اور ان کا ذوق ان کے اندر اس قدر بڑھ گیا کہ طالوت کو اپنے زمانہ میں پوری قوم کی تطہیر کرنی پڑی۔ چنانچہ سموئیل کے باب ۲۸ - ۳ میں ہے۔

"اور ساؤل نے جنات کے آشناؤں اور افسوں گروں کو ملک سے خارج کر دیا تھا"۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ | اس آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے آیت ۱۰۱ کو بھی جو اوپر گذری ہے نگاہ میں رکھیے۔ وہاں فرمایا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور سحر و نجوم اور گنڈے تعویذ وغیرہ کے فتنوں میں پڑے رہ گئے۔ اب یہاں فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے آخری رسول اور اس کی آخری کتاب پر ایمان لاتے اور ان فتنوں سے بچتے جن میں وہ مبتلا ہیں تو اس کا اجر بہت بڑا تھا۔ لیکن یہ اپنی رذالت اور پست ہمتی کی وجہ سے علوم سفلیہ کی دوکانداری ہی کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں انہیں کچھ اندازہ نہیں کہ اللہ کی کتاب پر ایمان اور اس کے بخشے ہوئے علم کا اجر و ثواب خدا کے یہاں کیا ہے۔ کاش وہ اس بات کو سمجھتے۔

۴۴۔ اس مجموعۂ آیات کی چند اہم باتیں

اس مجموعۂ آیات کے اندر بھی چند باتیں ایسی ہیں، جو مزید وضاحت کی محتاج ہیں تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔

ایک یہ کہ بسا اوقات ایک گمراہی یا بدعقیدگی بظاہر معمولی نظر آتی ہے لیکن وہ اپنے اندر اتنی گمراہیاں اور بدعقیدگیاں چھپائے ہوئے ہوتی ہے کہ اس سے آدمی کے سارے دین و ایمان کی جڑیں اکھڑ کے رہ جاتی ہیں۔ یہود قرآن کی مخالفت کے جوش میں حضرت جبریل امین کے بھی مخالف بن گئے اور اس چیز کو انہوں نے ایک معمولی بات سمجھا۔ قرآن نے جب اس کے مضمرات واضح کیے تو معلوم ہوا کہ جبریلؑ کی مخالفت تنہا جبریلؑ ہی کی مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی بھی مخالفت ہے، اس کے تمام فرشتوں کی مخالفت ہے اور اس کے تمام رسولوں کی مخالفت

ہے۔ پھر ساتھ ہی اس مخالفت کے ایک اور لازمی نتیجہ کو بھی واضح فرمایا جو مذکورہ نتائج سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ ایسے کٹر کافر ہیں کہ اللہ، ملائکہ اور انبیاء سب کے دشمن ہیں اللہ ان کا دوست کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس وجہ سے لازماً ایسے کافروں کا اللہ بھی دشمن ہے غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچی۔

دوسری بات جو مذکورہ بالا اصول ہی پر مبنی ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ اور اس کے نبیوں اور رسولوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب سب کی تکذیب اور کسی ایک کی بھی دشمنی سب کی دشمنی ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کا عقیدہ یہ بتایا گیا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲۸۵ بقرہ) (اس کے رسولوں کے درمیان ہم کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے)۔ مزید غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسی اصول پر وہ حدیث بھی مبنی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالحرب (جس نے میرے کسی دوست کے ساتھ دشمنی کی تو اس نے خود مجھے اعلان جنگ دیا)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے جاننے اور ماننے والے ہیں وہ درحقیقت اسی ملت اور اسی حزب سے تعلق رکھتے ہیں جس میں انبیاء ورسل اور ملائکہ شامل ہیں جس طرح ان میں سے کسی کی دشمنی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ ہے اسی طرح صلحاء اور ابرار میں سے بھی کسی کی دشمنی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

تیسری یہ کہ جس طرح سحر، شعبدہ، نجوم، حاضرات، فال اور کہانت وغیرہ کے قسم کی چیزیں خدا اور اس کی شریعت سے انسان کو برگشتہ کرنے والی ہیں اسی طرح انبیاء اور کلمات کے روحانی خواص یعنی گنڈے تعویذ اور جھاڑ پھونک کا علم بھی انسان کے لئے ایک فتنہ اور کتاب و شریعت سے منحرف کرنے والا ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ مضبوط اور مستحکم ربط پیدا کرنے کے لئے صحیح راہ یہی ہے کہ آدمی نہ صرف سحر و ساحری سے دور رہے بلکہ اس دوسری قسم کی چیزوں سے بھی حتی الوسع احتراز ہی کرے۔ انسان جب عملیات وغیرہ کے چکر میں پھنس جاتا ہے تو اس فتنہ میں لازماً گرفتار ہو جاتا ہے جس سے ہاروت و ماروت نے متنبہ کیا تھا اور پھر ان تمام مفاسد کا ظہور میں آنا لازمی ہے جو یہود کے ہاتھوں ظہور میں آئے اور جن کے سبب سے وہ کتاب اللہ کی روشنی سے محروم ہوئے۔

۲۴۔ آگے کا سلسلۂ کلام (آیات ۱۰۴ تا ۱۲۱)

آگے مسلمانوں کو یہود کی بعض ان شرارتوں سے آگاہ کیا گیا جو وہ اس غرض سے کر رہے تھے کہ بنی اسماعیل کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم کریں۔ اس ضمن میں یہود کے بعض ایسے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب بھی دیے ہیں جو وہ مسلمانوں کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کرنے کے لئے اٹھاتے تھے۔ اور وہ ہدایات بھی دی ہیں جن پر عمل کر کے مسلمان ان فتنوں کے مقابل میں راہ حق پر استوار رہ سکتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ
أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ
تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ
يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَدَّ كَثِيرٌ
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا
مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ
اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ
نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ

شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ
فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ
خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ لَهُمْ فِی
الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○۱۱۴ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ
وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○۱۱۵
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○۱۱۶ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا
فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○۱۱۷ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○۱۱۸
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ
الْجَحِیْمِ ○۱۱۹ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ
مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○۱۲۰
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○۱۲۱

اے ایمان والو تم "راعنا" نہ کہا کرو "انظرنا" کہا کرو اور توجہ سے سنا کرو۔ کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا، اہل کتاب ہوں یا مشرکین نہیں چاہتے کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے کوئی رحمت نازل ہو۔ اور اللہ اپنی رحمت کے لیے خاص کرتا ہے جن کو چاہتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جو کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظر انداز کرا دیتے ہیں
تو اس سے بہتر یا اس کے مانند دوسری لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز
پر قادر ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی
کے لئے ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔
کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اس طرح کے سوال کرو جس طرح کے
سوال اس سے پہلے موسیٰ سے کئے گئے اور جو لوگ ایمان کو کفر سے
بدل لیں گے تو وہ شاہراہ سے بھٹک گئے

بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان کے بعد پھر
تمہیں کفر کی حالت میں پلٹا دیں۔ محض اپنی طرف سے حسد کی وجہ سے حق کے
اچھی طرح واضح ہو جانے کے باوجود تو درگذر کرو۔ اور نظر انداز کرو یہاں تک
کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو اور
زکوٰۃ دیتے رہو اور جو نیکی بھی تم اپنے لئے کرو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ
گے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ جنت میں نہیں داخل ہو سکتے مگر وہ جو یہودی ہیں یا
نصرانی۔ یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ کہو اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔
ہاں بلاشبہ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ ٹھیک طرح
سے عمل کرنے والا ہے تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے رب کے پاس
ہے۔ نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ
کی کوئی بنیاد نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور یہ
دونوں کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح کی بات ان لوگوں نے بھی کہی
جن کو علم نہیں ہے۔ تو اللہ قیامت کے دن اس معاملہ کا فیصلہ کرے گا
جس میں یہ جھگڑ رہے ہیں۔

اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مساجد کو اس بات سے

محروم کریں کہ ان میں اس کا ذکر کیا جائے اور ان کی ویرانی کے درپے ہوں۔ ان کے لئے زیبا نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ اور مشرق ہو یا مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں تو جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ ہے۔ اللہ بڑی گنجائش رکھنے والا اور علم والا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ اس کی شان ان باتوں سے ارفع ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کے لئے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے بھی انہی کی طرح کی بات کہی۔ ان سب کے دل ایک ہی جیسے ہو گئے۔ جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے ہم نشانیاں اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں کوئی پرسش نہیں ہوگی۔

نہ یہود تم سے راضی ہونے والے ہیں اور نہ نصاریٰ تا وقتیکہ تم انہی کی ملت کے پیروکار نہ بن جاؤ۔ ان سے کہو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر تم اس علم حقیقی کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے تو اللہ کے مقابل میں نہ تمہارا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب بخشی اور وہ اس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں وہی لوگ اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے اور جو اس کا انکار کریں گے تو وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

۴۸۔ الفاظ اور جملوں کی وضاحت

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا | راعنا مراعاۃ سے امر کا صیغہ ہے۔ اگر مخاطب نے متکلم کی بات اچھی طرح سُنی یا سمجھی نہ ہو تو متکلم کو پھر متوجہ کرنے کے عربی میں راعنا کا لفظ ہے یعنی ذرا ہمارا لحاظ فرمائیے، پھر ارشاد ہو جس طرح انگریزی میں کہتے ہیں (I beg your pardon) عربی میں اسی موقع و محل کے لئے انظرنا کا لفظ بھی ہے جو نظر سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی دیکھنے مہلت دینے انتظار کرنے اور توقف کرنے کے ہیں۔

اوپر گذر چکا ہے کہ یہ یہود کی ان شرارتوں اور اعتراضات سے متنبہ کیا جا رہا ہے۔ جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے خلاف اس لیے کرتے تھے کہ اپنے دلوں کی بھڑاس نکالیں اور ہو سکے تو اس طرح مسلمانوں کو اسلام کی نعمت عظمیٰ سے محروم کریں۔ سیاق و سباق پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی محض منافقانہ اغراض کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے شوق استفادہ و ذوق تعلم کے اظہار کے طور پر "راعنا" کا لفظ بار بار دہراتے تاکہ حاضرین مجلس پر یہ اثر ڈالیں کہ یہ علم کے بڑے طالب اور قدردان لوگ ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اس لفظ کو صرف اس لیئے استعمال کرتے تھے کہ ذرا سا زبان کو توڑ مروڑ کر استعمال کرنے سے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو پیدا کیا جا سکتا تھا۔ رَاعِنَا کو ذرا نیچے کی طرف دبا کر ادا کیجیئے تو بڑی آسانی سے راعینا بن جائے گا جس کے معنی ہمارے چرواہے کے ہیں یہود کی اس شرارت کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ (یہود میں وہ لوگ بھی ہیں جو کلام کو اس کے موقع و محل سے ہٹاتے ہیں اور اپنی زبانوں کو لچکا کر کہتے ہیں۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ اور رَاعِنَا دین پر طنز کرنے کے لئے) اس آیت سے واضح ہے کہ یہ شرارت راعنا کے تلفظ میں زبان لچکا کر پیدا کی جاتی تھی اسی طرح عَصَيْنَا کو اس طرح ادا کرتے کہ سننے والے کو اطعنا کا دھوکا ہو اور اسمع کہتے ہوئے ذرا زبان دبا کر اس کے ساتھ چپکے سے غیر مسمع بھی لگا دیتے یعنی ذرا ان کی ناشنیدنی سنو۔ مقصود ان شرارتوں سے جیسا کہ قرآن نے واضح فرمایا" اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز کرنا اور پھبتی چست کرنا ہوتا۔

چونکہ یہودیہ طنز جیسا کہ اوپر گذرا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے اور آپ کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لئے کرتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ ہی کو مسلمانوں کے مجلسی الفاظ سے یک قلم خارج کر دیا اور اس کی جگہ زبان کا دوسرا معروف لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا جو طنز کے شائبہ سے پاک تھا۔ الفاظ کے متعلق یہ نفسیاتی حقیقت ملحوظ رہنی چاہیئے کہ اگر ان کے اندر کوئی روح فساد موجود ہو یا سوء استعمال سے پیدا کر دی گئی ہو تو پھر سلامتی ان سے دور رہنے ہی میں ہے ورنہ ان کا زہر غیر شعوری طور پر ان کے بولنے والوں اور سننے والوں کے اندر بھی سرایت کر کے رہتا ہے۔ مسلمانوں کو اس چھوت سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے "راعنا" کے استعمال کی ممانعت فرما دی۔

پھر اس کا ایک اور فائدہ بھی ہوا وہ یہ کہ "راعنا" کی ممانعت اور 'انظرنا' کی اجازت نے مخلصین اور منافقین کے درمیان ایک نشان امتیاز بھی پیدا کر دیا۔ اس صریح ممانعت کے بعد ظاہر ہے کہ مجلس نبوی میں اس لفظ کے استعمال کی جسارت وہی لوگ کر سکتے تھے جن کے دلوں کے اندر حسد اور کینہ توزی کا اتنا بخار بھرا ہوا ہو کہ وہ کسی طرح بھی اس کو دبا سکنے پر قادر نہ ہوں۔

اس آیت میں 'اسمعوا' کا لفظ اپنے کامل اور حقیقی مفہوم میں ہے۔ یعنی غور سے پیغمبرؐ کی باتیں سنو اور ان کو سمجھو تاکہ تمہیں بار بار پیغمبرؐ کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ یہ یہود نہ تو سننے کے لئے آتے ہیں اور نہ سمجھنے کیلئے بلکہ صرف اس لئے آتے ہیں کہ کوئی موقع "راعنا" کے استعمال کا پیدا کر کے اپنے دل کا بخار نکالیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ آیت معاندین اسلام کے باطن پر عکس ڈال رہی ہے اور خطاب مسلمانوں سے ہے کہ مسئلہ صرف ایک لفظ کے استعمال اور عدم استعمال کا نہیں ہے بلکہ یہ یہودی اور یہ مشرکین دونوں اس غصہ اور حسد میں جل رہے ہیں کہ تم خدا کی طرف سے اس خیر عظیم کے سزاوار کس طرح قرار پائے۔ ان کے نزدیک تو سارے خیر و شرف کے وارث و مورث یہ تھے نہ کہ تم قلاش اور بے سروسامان مسلمان۔ لیکن جب وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے علی الرغم تمہاری طرف سب سے بڑے خیر کی وراثت منتقل ہو رہی ہے اور تم اس کے حامل ہوا چاہتے ہو تو انھوں نے اس قسم کی چھچھوری حرکتیں شروع کر دی ہیں کہ اگر ہو سکے تو اس

طرح تمہاری نظروں میں اسلام اور پیغمبر آخر الزمان کی وقعت کچھ گھٹائیں تاکہ جس طرح وہ اس نعمت سے محروم ہیں تم بھی اس سے محروم ہی رہو۔ تم ان کی ان چالوں سے ہوشیار رہو اور ان کے چکموں میں آکر ان کی تمنا بر آنے کے سامان نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت کا اجارہ دار نہ یہود کو بنایا ہے نہ قریش کے سرداروں کو بلکہ وہ اپنے فضل و رحمت کا خود مالک و مختار خود ہے۔ وہی اپنی صواب دید اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق جس کو چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا | نسخ کے اصل معنی ہٹانے اور مٹانے کے ہیں قرآن مجید میں ہے فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ۵۔ الحج (پس اللہ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان داخل کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے) یہاں یہ ایک قانون کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا قانون لانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اِنْسَاء کے معنی فراموش کرا دینے کے ہیں۔

یہود مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جب قرآن حضرت موسیٰ کو خدا کا پیغمبر اور تورات کو خدا کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو پھر تورات کے احکام کے رد و بدل کے کیا معنی؟ کیا خدا اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو خود اپنے ہی ہاتھوں بدلتا ہے۔ کیا اب تجربہ کے بعد خدا پر اپنی غلطیاں واضح ہو رہی ہیں اور وہ ان کی اصلاح کر رہا ہے؟

اس قسم کے اعتراضات اٹھا کر یہود مسلمانوں کو قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قرآن نے یہ ان کا جواب دیا ہے کہ تورات کا جو قانون منسوخ کیا جاتا ہے اس سے بہتر قانون اس کی جگہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تورات کے جو احکام یہود نے فراموش کر دیے تھے، ان کی تجدید کی جاتی ہے اور اگر تجدید نہیں کی جاتی بلکہ ان کو نظر انداز کرایا جاتا ہے تو ان سے ملتے جلتے احکام دیے جاتے ہیں۔ یعنی اس تبدیلی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک تو خوب سے خوب تر کی طرف بڑھا رہا ہے، دوسرے دین کی جو دولت ضائع کر دی گئی تھی اس کی جگہ دین کے خزانہ کو نئی دولت سے معمور کر رہا ہے۔ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو قابل اعتراض قرار دی جا سکے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ | یہ خطاب عام ہے۔ ان لوگوں سے بھی جو یہ وسوسہ

اندازی کر رہے تھے اور ان لوگوں سے بھی جو اس وسوسہ اندازی سے متاثر ہو رہے تھے - ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو شریعت دے کر اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے مستعفی نہیں ہو بیٹھا تھا کہ اب نہ تو وہ دنیا میں کسی کو شریعت دے گا، نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی کریگا اور نہ اب وہ اس کی تجدید کرے گا اگرچہ یہ اس کو بالکل ہی برباد کر کے رکھ دیں - بلکہ وہ بدستور اپنے تمام اختیارات کا مالک ہے اور اپنی حکمت کے مطابق اس کو ہمیشہ استعمال کرتا رہا ہے اور کرے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . . . . وَلَا نَصِيْرٍ | یہاں بھی مخاطب وہی ہیں جو اوپر والی آیت میں مخاطب ہیں - البتہ جواب میں اس ذہنیت کو ملحوظ رکھ کر جو مذکورہ بالا سوال کے پس پردہ چھپی ہوئی تھی، تھوڑی سی تفصیل آگئی ہے - یہود نسخ کے سوال کو اٹھا کر سادہ لوح لوگوں کے اندر جو وسوسہ اندازی کر رہے تھے اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو تاڑ گئے تھے کہ یہ تورات کے احکام کا منسوخ ہونا اور ان کی جگہ دوسرے احکام کا آنا محض تورات کے بعض احکام ہی کا منسوخ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کے اندر یہود کی منصب امامت سے معزولی اور ان کی جگہ ایک دوسری امت کے نصب و تقرر کا پیام بھی مضمر ہے - دراصل اس چیز کا غم و غصہ تھا جو انہیں کھائے جا رہا تھا اور اس کے اظہار کے لیے وہ نسخ کے سوال کو ایک پردہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے - قرآن نے اس پردے کو اٹھا کر ان کو یہ جواب دیا کہ آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور اسی کے اختیار میں ہے، وہ جس سے چاہتا ہے اس کو چھینتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے، اب اگر تم اس منصب کے لئے نااہل ثابت ہو چکے ہو جس پر اس نے تم کو سرفراز کیا تھا اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری جگہ اس منصب پر کسی اور کو سرفراز فرمائے تو تمہارے غم و غصہ کے علی الرغم یہ بات ہو کے رہے گی اور تمہارا کوئی حامی و مددگار خدا کے اس فیصلہ سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ . . . . . فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ | لفظ سوال کے اندر کئی مفہوم ہیں - مثلاً مانگنا، درخواست کرنا، مطالبہ کرنا، پوچھنا، پرسش کرنا، سوال کرنا - سوال بعض صورتوں میں اعتراض کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کے مفہوم میں اعتراض کرنا بھی داخل ہے - بعض حالات میں تحقیق کی نوعیت کا ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا صلہ عن کے ساتھ آتا ہے - بعض حالات میں سوال استہزاء کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا صلہ ب کے ساتھ

آتا ہے۔ مثلاً سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۔ (ایک مذاق اڑانے والے نے مذاق اڑایا،
ہونے والے عذاب کا)۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مذکورہ تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں موقع کلام
دلیل ہے کہ یہ لفظ معترضانہ سوال کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

یہاں مخاطب مسلمانوں کے اندر کے وہ کمزور لوگ ہیں جو یہود کے القاء کیے ہوئے مذکورہ بالا
سوال سے متاثر ہو کر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے اور اس طرح اس سوال
کے اٹھانے اور پھیلانے میں مسلمانوں کے اندر یہود کی نمایندگی کرتے۔ قرآن نے سوال کا جواب
تو اوپر دے دیا تاکہ یہود کے پروپگنڈے کا رد ہو جائے لیکن جس طرح اوپر والی آیت میں یہود کو
تنبیہ کی اسی طرح مسلمانوں کے اندر ان کی نمائندگی کرنے والوں کو یہاں تنبیہ کی کہ یہ سوالات اپنی
ذہنیت اور نوعیت کے اعتبار سے اسی طرح کے سوالات ہیں جس طرح کے سوالات یہود حضرت موسیٰؑ
سے کرتے رہے ہیں۔ اور یہ روش ایمان وہدایت کی روش نہیں ہے بلکہ ایمان کو کفر سے بدلنے کی
روش ہے۔ جو لوگ یہ روش اختیار کرتے ہیں وہ یہود ہی کی طرح جادہ مستقیم سے بھٹک کے رہتے ہیں۔

چونکہ اس سوال کے پس پردہ درحقیقت یہود ہی تھے اس وجہ سے قرآن نے یہ کہہ کے کہ اسی
طرح کے سوالات اس سے پہلے موسیٰؑ سے کیے گئے بڑی بلاغت کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کر دیا
ہے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ ان کی وسوسہ اندازیوں سے بے خبر نہیں ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ۔۔۔۔ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ	یہ مسلمانوں کو عموماً اور کمزور مسلمانوں کو خصوصاً مزید تنبیہ ہے کہ یہود کی یہ تمام سرگرمیاں صرف اس غرض

سے ہیں کہ تمہیں ایمان سے ہٹا کر پھر کفر کی حالت میں پلٹا دیں۔ یہ نہ سمجھو کہ ان کی یہ تمام بھاگ دوڑ
تمہاری خیر خواہی میں ہے یا یہ تمہارے سابق دین کو برحق سمجھتے ہیں اس کی حمایت میں ہے یا اسلام کے باب
میں انہیں کوئی غلط فہمی ہے اس وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ محض حسد کا دورہ ہے جو ان کے نفس کی تحریک سے
ان پر پڑا ہے باوجودیکہ اسلام کا حق ہونا ان پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے۔

یہ تنبیہ اس لیے ضروری تھی کہ بعض نیک دل یا سادہ لوح مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو
سکتے تھے کہ یہ اہل کتاب محض ان کی خیر خواہی میں یا ایک دینی خدمت کے طور پر ان کے ایمان کے
معاملہ میں اتنے سرگرداں ہیں۔ قرآن نے اس غلط فہمی کو رفع کر دیا کہ یہ سب کچھ محض حسداً من عند انفسہم ہے۔
یعنی یہ کسی جذبہ دینی کے تحت نہیں ہے بلکہ محض نفس کے ابھارے ہوئے جذبہ حسد کی کرشمہ سازی ہے۔

مطالعہ حدیث

مولانا عبدالغفار حسن صاحب

مثلہ معہ

(۱) عن ابی رافع (مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداود باب السنہ - ترمذی - باب العلم ابن ماجہ باب السنہ - بیہقی، دلائل النبوۃ - مسند احمد -)

ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو۔ اس کے پاس جب میرے احکام میں سے کوئی امر یا نہی پہنچے تو وہ کہدے کہ میں (ان احکام کو) نہیں جانتا۔ ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا ہے اسی کی اتباع کرتے ہیں۔

(۲) عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن

مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی۔ سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا، آسودہ حال شخص

لما وجدتم فيه من حلال	اپنی مسہری پر بیٹھ کر کہے گا۔ اس
فاحلوه وما وجدتم فيه	قرآن کو لازم پکڑ لو۔ جو تم اس میں حلال
من حرام فحرموه۔ وان ما	پاؤ اُسے حلال قرار دو اور جسے تم
حرم رسول الله كما حرم الله	حرام پاؤ اُسے حرام ٹھہراؤ۔ سنو!
الا لا يحل لكم الحمار الاهلی	پالتو گدھا حلال نہیں ہے۔ اور نہ
ولا كل ذی ناب من السباع	درندے حلال ہیں، اور نہ جس سے
ولا لقطة معاهد الا	معاہدہ ہو اُس کی گری پڑی چیز
يستغنی عنها صاحبها	اُٹھانی جائز ہے، اِلّا یہ کہ اُس کا
ومن نزل بقوم فعليهم	مالک اُس سے بے نیاز ہو۔ اگر کوئی
ان يقروه فان لم يقروه	شخص کسی بستی میں (بطور مسافر) قیام
فله ان يعقبهم بمثل	کرے تو وہاں کے لوگوں کا فرض ہے
قراه (ابو داؤد، باب السنة	کہ اس کی مہمانی کا حق ادا کریں۔ اگر
ترمذی۔ دارمی باب العلم۔ ابن ماجہ	وہ ایسا نہ کریں تو وہ اُنکی اس (غفلت)
باب السنة۔ مسند احمد مع الفتح الربانی)	کا تاوان لے سکتا ہے۔

سند کی حیثیت | یہ دونوں روایتیں متعدد کتابوں میں منقول ہیں، ان کی سند پر محدثین نے اعتماد کیا ہے (معالم السنن خطابی شرح ابوداؤد، جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۸)

مشکل لغات

الاريكة	(اریکہ) عربی میں اس تخت
سريرة	(یا مسہری) کو کہا جاتا ہے جو دلہن
المزين بالحلل والاثواب	کی مسہری کی طرح بیش قیمت پارچہ جات
كما للعروس كناية عن	سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ اس سے دنیاوی
الترفه والدعة كما هو	خوشحالی اور عیش پسندی مراد ہے بغرور
عادة المتكبر القليل الاهتمام	اور دین سے بے پرواہ لوگوں کا مزاج ایسی

بالدین (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۵) قسم کا ہوتا ہے۔

تشریح احادیث

ان دونوں حدیثوں سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔
(۱) آپ نے اپنی زبان مبارک سے آج سے بہت پہلے انکارِ حدیث کے فتنہ کی خبر واضح الفاظ میں دیدی تھی کہ ایسے لوگ خوشحال، عیش و عشرت سے مالا مال اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزارتے ہوں گے۔ دونوں روایات میں اُن کے حال و مقال دونوں کا نقشہ اس انداز سے کھینچ دیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں پیش آسکتی۔ یہ اسی قسم کی پیشین گوئی ہے جیسی کہ آپ نے اپنے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ظہور کی خبر دی تھی اور وہ حرف بہ حرف سچی نکلی۔

یہ دونوں قسم کی تحریکات دین کو مسخ کرنے میں یکساں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اجرائے نبوت کی تحریک امتی کو نبی کا مقام دلوا دیتی ہے اور انکارِ سنت کی تحریک نبی کو امتی کے درجہ میں رکھتی ہے۔

(۲) حدیث نمبر ۲ میں سنت کو قرآن کا مثل قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قرآن اور سنت ہر لحاظ سے یکساں اور ہم رتبہ ہیں۔ یہ عقیدہ حامیانِ سنت میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ محدثین کرام نے اس حدیث کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

معناہ علی وجہین	حدیث کے مثلِ قرآن ہونے کی
انہ اوتی من الوحی	تشریح دو طرح کی جا سکتی ہے (۱)
الباطن غیر المتلو مثل	جس طرح آپ کو وحی متلو (وحی جلی)
ما اوتی من الظاہر	عطا ہوئی ہے اسی طرح وحی غیر متلو
المتلو۔	(وحی خفی) سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا ہے
اوتی الکتاب وحیا	(۲) آپ کو الکتاب بطور وحی
یتلی واوتی مثلہ من	دی گئی ہے اسکے مثل بیان و شرح پر
البیان ای اذن لہ	مشتمل وحی بھی آپ کو مرحمت ہوئی ہے
ان یعم ویخص وان	یعنی آپ کو اجازت دی گئی ہے کہ آپ

یزید علیه وان یشرع
مالیس فی الکتاب له ذکر
فیکون ذالك فی الوجوب الحکم
ولزوم العمل کالظاهر المتلو
من القران یعنی اوتیت القرآن
احکاما ومواعظ وامثالا
تماثل القران فی کونها واجبة
القبول اوفی المقدار فیه
رد علی الخوارج و
الروافض تعلقوا الظاهر
القران وترکوا السنن
التی قد ضمنت
بیان الکتاب (معالم
السنن خطابی جلد ۷
صفحہ ۸)

قرآن کے عموم کو خاص اور خصوص کو عام قرار دیں۔ اور قرآن سے زائد احکام بیان فرمائیں اور جن امور کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اُن کو قانونی طور پر امت پر لازم کر دیں۔ یہ مماثلت وجوبِ حکم اور لزوم عمل کی بنا پر ہے یعنی میں قرآن دیا گیا ہوں اور (اس کے علاوہ) احکام، مواعظ اور امثال دیا گیا ہوں جن کا قبول کرنا قرآن ہی کی طرح ضروری ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدار کے اعتبار سے مماثلت مراد ہو اس میں اُن خوارج[1] و روافض کا رد ہے جنہوں نے قرآن کے ظاہری الفاظ کو لے لیا۔ اور قرآن کی تشریحات پر مشتمل احادیث کو نظر انداز کر دیا۔

اس کے بعد امام خطابی کہتے ہیں۔

وفی الحدیث دلیل
علی انه لا حاجة
بالحدیث ان یعرض
علی الکتاب و انه
مهما ثبت عن رسول الله

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ جب کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہو جائے۔ تو وہ فی نفسہ

[1] واضح رہے کہ خوارج، روافض اور معتزلہ کے تمام فرقوں نے سنت کا انکار نہیں کیا ہے اور نہ سنت کے تمام ذخائر کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم	حجت و دلیل ہے، اس قسم کے منکرین نے
کان حجۃ بنفسہ واماما	ایک یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جب
رواہ بعضہم انہ قال	تمہیں کوئی حدیث ملے تو اس کو قرآن پر
اذا جاء احدکم الحدیث	پیش کرو یعنی قرآن سے اس کا موازنہ کرو
فاعرضوہ علی کتاب اللہ	اگر اس کے موافق ہو تو قبول کر لو اور
فان وافقہ فخذوہ و	خلاف ہو تو چھوڑ دو۔ حقیقت یہ ہے
ان خالفہ فانہ حدیث	کہ یہ حدیث سراسر باطل اور بے بنیاد
باطل لا اصل لہ۔ عن یحیی	ہے۔ (مشہور محدث) یحیی ابن معین کا
بن معین انہ وضعتہ	قول ہے کہ یہ حدیث زنادقہ نے گھڑی
الزنادقہ۔	ہے۔ اس کی سند انتہائی ناقابل اعتماد ہے

اس روایت کی سند پر تفصیلی کلام اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ حدیث شام کے راویوں سے منقول ہے۔ یعنی۔ عن یزید بن ربیعۃ عن ابی الاشعث عن ثوبان۔ واضح رہے کہ یزید بن ابی ربیعہ مجہول راوی ہے۔ اس کا سماع ابوالاشعث سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح ابوالاشعث اور ثوبان کے درمیان بھی ایک واسطہ غائب ہے (حوالہ سابق)

ایک ثقافتی بزرگ نے لکھا ہے کہ مثلہ معہ کا عقیدہ شرک ہے۔ کلام اللہ اور کلام الرسول دونوں یکساں کیسے ہو سکتے ہیں؟ (او کما قال) یہ وہم قطعاً بے بنیاد ہے، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں حدیث کو پرکھنے کے جہاں اور معیار پیش کئے گئے ہیں وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث عصری تقاضوں اور انفرادی و اجتماعی مصالح سے متصادم نہ ہو۔ (ثقافت ماہ جنوری ۱۹۶۲ء) لیکن یہ ایک ایسی کسوٹی ہے کہ اس کی زد میں بہت سی قرآنی آیات بھی آجاتی ہیں۔ جیسا کہ ایک اور ثقافتی بزرگ نے انکشاف کیا ہے کہ قرآن حکم دیتا ہے۔ اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم، اُن کے استدلال کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی آیات دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک احسن (بہت اچھی) اور دوسری حسن (اچھی)۔ ہم سے احسن کی پیروی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، نہ کہ حسن کی۔ حالات کی

رفتار بتلا رہی ہے کہ تجدد دین اور مغربی ثقافت زدہ مہربانوں نے سنت کو اپنی جدت طرازیوں کا نشانہ بناتے بناتے قرآن پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب اگر عصری تقاضوں یعنی مغربی ثقافت یا روسی کثافت کا لحاظ رکھا جائے تو نہ سُود کی حرمت باقی رہتی ہے، نہ زنا حرام رہ جاتا ہے اور نہ شراب سے پرہیز ضروری قرار پاتا ہے، کیونکہ عصری تقاضے اس پر مُصر ہیں کہ ان سب امور کو بالکلیہ یا اُن کی بعض اقسام کو حلال و طیب ٹھہرائیں۔ اور جو کام قرآن و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں جائز اور حلال قرار دیئے گئے ہیں، وہ عصری تقاضوں اور خود ساختہ انفرادی اور اجتماعی مصلحتوں کی بنا پر عصری مجتہدین کے نزدیک وحشیانہ شمار ہوں۔ مثال کے طور پر تعدد ازدواج کے مسئلہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

(باقی)

تدبر قرآن

(تفسیر آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ)

مکتبہ میثاق کی شائع کردہ

(مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" کا ایک نمونہ)

اس تفسیر کا مطالعہ
قرآن میں فکر و تدبر کا شوق پیدا کرتا ہے

سورۂ فاتحہ

کی اہمیت کے لحاظ سے اس کا مطالعہ دین کے شائقین کے لیئے بہت فائدہ مند ہے۔ قیمت:- ۷۵ پیسے

مکتبہ میثاق۔ رحمان پورہ۔ اچھرہ۔ لاہور ۱۲

افادات حافظ ابن القیمؒ
مولانا عبدالغفار حسن صاحب

قرآنی کلمات کی حکیمانہ ترتیب

عرصہ ہوا کہ حافظ ابن قیمؒ (وفات ۷۵۱ھ) کی بلند پایہ کتاب "بدائع الفوائد" کے بعض تفسیری اجزاء کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ عام افادے کی غرض سے اب یہ ترجمہ نظر ثانی کے بعد "میثاق" میں اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے مضامین کے مطالعے سے فہم قرآن کے ذوق کو جِلا حاصل ہو سکتی ہے۔ اور تدبر قرآن کے شائقین نہایت ہی دل نشین اور اثر انگیز اسلوب سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ (عبدالغفار حسن)

العزیز الحکیم | وہ غالب حکمت والا ہے (البقرۃ ۱۲۹)

عزیز کو حکیم پر مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عزیز کا ماخذ عزت ہے، جو کمال قدرت کا نام ہے۔ حکیم کا مادہ حکمت ہے جو کمال علم کا مفہوم اپنے اندر لیئے ہوئے ہے۔ صنعت قدرت کے آثار و مناظر مخلوق کے مشاہدہ میں زیادہ آتے ہیں، اس لئے اس کو پہلے لایا گیا ہے۔ لیکن حکمت کا تعلق نظر و فکر سے ہے (اس لئے حکمت کی نشانیوں پر کم نگاہ پڑتی ہے) خدا کی حکمت میں انسان بعد میں غور کرتا ہے۔ پہلے اس کے آثار قدرت اور کائنات کو دیکھتا ہے اور اس کے ذریعہ سے حکمت الٰہی کی باریکیاں اور مصلحتیں سمجھتا ہے۔

یہاں ذریعہ و وسیلہ کو مقصد پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ قدرت کا تعلق تو پیدائش سے ہے۔ اور حکمت، فعل کی اصل غرض ہے جس طرح دنیا میں عملاً وسائل کو مقصد سے پہلے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح بیان میں بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (بقرہ ۲۲۲)

"اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

تَوَّابِين کو متطہرین پر اس لئے مقدم رکھا گیا ہے کہ طہر (پاکی) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پانی کے ذریعے حدث، نجاست اور گندگی سے پاک ہونا۔ دوسرے توبہ کے ذریعے شرک اور گناہوں سے صاف ہونا۔ دوسری قسم پہلی نوع کے لئے اصل اور بنیاد ہے۔ اس کے بغیر پانی کے ذریعے پاکی حاصل کرنا بے معنی ہے۔ طہارتِ ماء (پانی) طہارتِ توبہ کو درجۂ کمال تک پہنچاتی ہے خود مقصود بالذات نہیں۔ اسی لئے توابین کو پہلے ذکر کیا گیا۔ جب کوئی شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے تو پہلے توبہ کے ذریعے دل کو پاک کرتا ہے۔ پھر پانی کے ذریعے ظاہر بدن کو۔

أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (جاثیہ ۷) افک کے معنی ہیں جھوٹ۔ اس کا تعلق زبان سے ہے۔ اور اثم کے معنی ہیں فجور (بدکاری) اس کا تعلق عمل سے ہے۔ یہی جھوٹ فجور کا ذریعہ بنتا ہے اور واقع میں پہلے ہوتا ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا گیا۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے

ان الکذب یھدی الی الفجور وانّ الفجور یھدی الی النار۔ (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان بحوالہ بخاری ومسلم)

"جھوٹ، فسق و فجور پر آمادہ کرتا ہے۔ اور فجور، دوزخ میں جھونکتا ہے۔"

مُعْتَدٍ أَثِيمٍ (القلم ۱۲) یہاں معتدٍ کو اثیم پر مقدم چند وجوہ کی بنا پر کیا گیا ہے۔

(۱) اعتداء حد سے بڑھنا یہ گناہ کا ذریعہ اور سبب ہے۔ اور سبب اپنے مسبّب اور نتیجے پر مقدم ہوتا ہے۔ (۲) اعتداء یا عدوان کے معنی ہیں مقرر کردہ حد سے بڑھ جانا۔ یہ ایسا ظلم ہے جس سے اصل شئی کی مقدار اور کیفیت میں تغیر آجاتا ہے اور اس طرح ظالم اثم (گناہ) کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔ (۳) معتدی وہ ہے جو سرکشی کی راہ سے اللہ کے بندوں کو ستاتا ہے۔ اثیم وہ ہے جو بدکاری کی وجہ سے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ معتدٍ کی تقدیم ترتیب کلام کے بالکل مناسب ہے یعنی جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے والا ہو، وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس معنی پر زور دینے کے لئے معتدٍ کو پہلے لایا گیا (۴) اس سے پہلے مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ کہا گیا ہے۔ یعنی یہ کافر بھلائی سے روکتا ہے۔ اس کا دل لوگوں کی ہمدردی اور خیر

خواہی سے خالی ہے۔ اس جگہ مزید شر اس کا یہ ہے کہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔ پہلے خیر سے روکتا ہے پھر ان پر ستم ڈھاتا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے مناع کے بعد متصلاً معتدٍ ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا انسان بدترین لوگوں میں سے ہے۔ بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے اور ان کو تکالیف سے محفوظ رکھے۔ تصوّف کی اصل حقیقت یہی ہے۔

هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (القلم-۱۱) عیب جو چغل خور پر ہماز کو دو وجوہ کی بنا پر مقدم کیا گیا ہے۔ عیب جو حرکت اور چلنے پھرنے کا زیادہ خواہاں نہیں ہوتا بخلاف چغل خور کے کہ اس کے فعل کا سارا دار و مدار نقل و حرکت پر ہوتا ہے۔ ھَمَّازٍ معنی کے لحاظ سے (فاعل) یعنی بیٹھنے والے اور چغل خور ماشی (چلنے والے) کے حکم میں ہؤا۔ رتبتہً قعود (بیٹھنے) کو مشی (چلنے) پر تقدم ہے۔ (یہ امام سہیلی کا قول ہے) پھر ھَمَّاز کا نقصان اسی شخص تک محدود رہتا ہے جس کی عیب جوئی کی جارہی ہے۔ لیکن چغل خور کا نقصان دوسروں تک پھیلتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ محدود ضرر کے سمجھ لینے کے بعد متعدی نقصان کا سمجھنا آسان ہے۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ يَاْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ (حج ۲۷) اے ابراہیم لوگوں میں اعلان کر دے (حج کے لئے) لوگ آئیں گے پیدل اور سوار ہو کر دبلے اونٹوں پر"۔

یہاں پیدل کو سوار پر مقدم رکھنے کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) نزدیک کے مقامات سے لوگ عام طور پر پیدل ہی آجاتے ہیں۔ اور دور سے آنے والے سواریوں پر گو یا قریب سے آنے والے رتبۃً تقدم رکھتے ہیں۔ اسی لئے پیدل آنے والوں کو سواروں پر مقدم کیا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے استطاعت (طاقت) کو شرط قرار دیا ہے۔ اور چونکہ اکثر لوگ بغیر سفر کے اس فرض کو ادا نہیں کر سکتے تو مناسب ہوا کہ حاجیوں کی دو قسمیں (پیدل اور سوار) صراحتًا بیان کر دی جائیں اور اس غلط وہم کو ختم کر دیا جائے کہ حج صرف سواری رکھنے والوں پر ہی فرض ہے۔ اس بنا پر پیدل کو سوار سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

السماءُ کی تقدیم الارض پر قرآن مجید میں عام طور پر آسمان کا ذکر زمین سے پہلے کیا گیا ہے، کیونکہ آسمان کے عجائبات فائدے اور منافع زمین سے کہیں زیادہ ہیں۔ زمین کی حیثیت اس کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے۔ اس لئے قرآن مجید میں آسمان کے مناظر میں بار بار غور کرنے کے لئے ابھارا گیا ہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (پھر لوٹا نگاہ کو بار بار)

سورہ یونس میں السماء (آسمان) پر الارض (زمین) کو مقدم کیا گیا ہے ۔ اس میں دوسری حکمت ہے ۔ فرمایا ۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس ۶۱)　　"تیرے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپ نہیں سکتی ۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں"۔

اس آیت میں بندوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالٰے ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے واقف ہے ، اس کی نافرمانی سے بچیں ۔ یہاں اس مضمون کی مناسبت سے زمین کا ذکر پہلے ہی موزوں تھا ۔ یہی زمین ان کی جائے قیام اور قرار گاہ ہے ۔ اس مضمون کو سورہ سبا ء میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن وہاں الارض کو بعد میں لایا گیا ہے ۔ پوری آیت میں غور کرنے سے اس کی حکمت بھی پوشیدہ نہیں رہتی ۔ فرمایا ۔

لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (سبا ۳۰)　　کافروں نے کہا قیامت نہیں آئے گی ۔ آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں ضرور ہی آئے گی ۔ وہ خدا غیب کا جاننے والا ہے اس سے ایک ذرہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ۔

اس آیت میں ابتداً قیامت کا ذکر موجود ہے ۔ اور قیامت کی اکثر نشانیوں کا ظہور آسمان ہی سے ہوگا ۔ اس لئے سمٰوٰت کو مقدم کرنا ہی مناسب تھا ۔

اموال و اولاد　وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ (سبا ۳۷)　　تمہارے مال اور اولاد تم کو خدا سے نزدیک کرنے والے نہیں ۔

لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (المنافقون ۹)　　تمہارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں ۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن ۱۵)　　پس تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں ۔

ان تینوں آیات میں مال کو مقدم کر کے مسلمانوں کو اس میں الجھ کر خدا کی یاد سے غافل ہونے سے ڈرایا گیا ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مال کی حرص میں اللہ کی رضا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے

محروم ہو جائیں۔ اصل مشغولیت اور انہماک ایمان اور اعمال صالحہ میں ہونا چاہئے نہ کہ کسب زر میں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان پر مال کی محبت اور اس کو سمیٹنے کی دھن اس طرح سوار ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت و اصلاح سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مال کو پہلے لاکر اس حرص و طمع کو رد کیا گیا ہے۔ حسب ذیل دو آیتوں میں اولاد کو مال سے پہلے بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی عجیب حکمت ہے۔ فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ (توبہ ۲۴)	کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ دادا تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے، اور وہ تجارت جس کے مندے ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں، تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔

یہاں جہاد کا بیان ہے۔ ایک مجاہد کے لئے اہل وعیال اور گھر بار کی جدائی بہ نسبت مال کے زیادہ دشوار ہے۔ ان تعلقات سے علیحدگی کا خیال اُسے جہاد کے لئے نکلنے سے روکتا ہے۔ اور یہ تصور تو اس کے لئے اور بھی سوہان روح ہوتا ہے، کہ وہ قتل ہو کر ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو جائے گا۔ اس موقع پر مال سے جدائی کا خیال رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ اس لئے اولاد اور اقرباء کا ذکر پہلے ہی لانا مناسب تھا۔

اس آیت میں غور کرو کہ کس طرح تمام اشیاء کو بہترین ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آباء کا ذکر سب سے پہلے لایا گیا ہے۔ کیونکہ طبعًا و رتبۃً اور بلحاظ شرف ان کو تقدم و فوقیت حاصل ہے۔ اس بنا پر انسان اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتا ہے۔ اور ان کے ناموس کی حفاظت میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ اس حمایت اور عصبیت میں نہ جان کی پرواہ رہتی ہے اور نہ اولاد کا خیال۔ ان کے طریق سے ہٹنا ایک لمحہ کے لئے بھی اسے گوارا نہیں ہوتا۔ ان کے بعد ابنا (بیٹوں)

کو بیان کیا گیا ہے۔ محبت اور دلی تعلق کے لحاظ سے آباء کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ ان سے جو وابستگی اور محبت ہوتی ہے، وہ بھائیوں سے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اخوان کا ذکر ان کے بعد ہے۔۔۔۔ اب ترتیب یوں ٹھہری اولاً اصل (جڑ) پھر فروع (شاخ) اور اس کے بعد ہمرتبہ رشتہ دار بھائی پھر بیویاں۔ بیوی کو چوتھے درجہ میں رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت اجنبی کی سی ہے۔ اس کی جگہ دوسری بھی کی جا سکتی ہے۔ اس سے تعلق تو نسل انسانی میں اضافہ کے لئے ہوتا ہے بخلاف آباء ابناء اور اخوان کے کہ ان کا بدل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ان سے تعلق حمایت و نصرت کے لئے ہوتا ہے کہ یہ گرے پڑے وقت میں کام آتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ مدافعت وحمایت کا فائدہ خواہش نفس کی تسکین کے فائدے سے کہیں زیادہ وزنی ہے۔ پانچویں درجے میں قرابت بعیدہ کو رکھا گیا ہے۔ یعنی چچا پھوپھی۔ چھٹا نمبر مال کا ہے جس کی صفت کمایا ہوا محنت سے حاصل کیا ہوا بھی کی گئی ہے۔ محنت ومشقت سے حاصل کیا ہوا مال بہت ہی مرغوب ومحبوب ہوتا ہے۔ اس کی قدر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس میراث ہبہ یا وصیت کے ذریعہ جو مال ملتا ہے اس کی حفاظت میں زیادہ توجہ اور اہتمام نہیں ہوتا۔ ساتواں نمبر تجارت کا ہے۔ انسان کی اصل محبت مال سے ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت مقصود ومطلوب کی سی ہے۔ اور تجارت اس کے حصول کے لئے صرف ایک ذریعہ ہے۔ یہاں مقصد کو ذریعہ اور وسیلہ پر مقدم رکھا گیا ہے ۔ آٹھواں نمبر وطن کا ہے۔ اس سے بھی انسان کا تعلق ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں جیسا آباؤ ابناء سے ہوتا ہے۔ وطن بدل سکتا ہے۔ اور یہ دوسرا وطن پہلے سے بہتر ہو سکتا ہے لیکن یہ عوض معاوضہ اور تبدیلی کا معاملہ باپ دادا اور اولاد میں نہیں چل سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں وہ تعلقات جن کو یہاں مؤخر بیان کیا گیا ہے زیادہ وزن دار ہو جائیں لیکن یہ ایک جزئی اور اتفاقی صورت ہوگی۔ اصل عام قانون فطرت وہی ہے جس کا لحاظ آیت کی ترتیب میں رکھا گیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ	لوگوں کے لئے مرغوب اشیاء سے محبت آراستہ کر دی گئی ہے۔ عورتوں کی طرف میلان۔ بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر پلے

وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (آل عمران ۱۴) — ہوئے گھوڑے مویشی اور کھیتیاں یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔

یہ وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے اولاد کا ذکر مال سے پہلے کیا ہے۔ یہاں چونکہ ان چیزوں کا بیان ہے جن کو کافروں نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے اور جن سے وہ اپنی خواہش لذت اور راحت کے جذبات کو تسکین دیتے ہیں اس لئے پہلے ان چیزوں کو بیان کیا جن سے ان کی شہوت کا تعلق زیادہ قوی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی عورتوں کی ہے۔ ان کا فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی وہ بیڑیاں ہیں جو بندوں کو خدا کی طرف قدم اٹھانے سے روک دیتی ہیں۔ ان کے بعد اولاد کو ذکر کیا جو کہ ان سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی طرف میلان کا سبب حصول لذت کے ساتھ حصولِ اولاد بھی ہے۔ یہ دونوں (عورت و اولاد) انسان کے براہِ راست مطلوب و مقصود ہیں۔ مال کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ وہ اصل مقصود کے لئے بمنزلۂ وسیلہ اور ذریعہ کے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مقصد باعتبار شرف و مرتبہ کے وسیلہ سے برتر ہے۔ اس لئے یہاں مال کو بعد میں بیان کیا اور مال کی بہترین قسم سونا چاندی کو یہاں ذکر کیا جن کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے بعد اس محبت کا ذکر ہے جو انسان کو حیوانات سے ہوتی ہے۔ اس محبت کا وہ درجہ نہیں جو مذکورہ بالا اشیاء کا ہے۔ اس لئے چوتھے نمبر پر اس کا بیان ہوا ہے۔ حیوانات میں سے گھوڑے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ یہ فوج کے لئے قلعوں اور پناہ گاہوں کا کام دیتے ہیں۔ قومی شرف عزت کا بقاء و قیام ان پر موقوف ہے۔ اس کے بعد مویشیوں کا بیان ہے۔ پھر کھیتی کا ذکر ہے۔ کیونکہ جانوروں کے منافع کھیتی سے کہیں زیادہ ہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (سورہ نحل ۶) — تمہارے لئے اس میں جمال و خوشنمائی ہے۔ جبکہ تم ان کو شام کے وقت گھر لے جاتے ہو اور چراگاہوں میں چراتے ہو۔

سواری (بار برداری) دودھ گھی ہتھیار اور اس قسم کے بہت سے فائدے ان سے حاصل ہوتے ہیں۔

آیات جہاد میں مال کا ذکر جان سے پہلے اللہ تعالےٰ نے آیات جہاد میں مال کو

نفس پر مقدم کیا ہے۔ صرف ایک آیت ایسی ہے۔ جہاں نفس کو مال سے پہلے بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	"بے شک اللہ نے خرید لئے ہیں۔ مومنوں سے
اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ	ان کے نفس اور مال اس عوض میں کہ ان کے
لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ (توبہ)	لئے جنت ہے"

پہلی صورت کی مثال ان آیات میں ملتی ہے۔ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (الصف) جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ (توبہ - ۲۰) ان آیات میں مال کو پہلے لانے کی چند وجوہ ہیں

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد بالنفس کی طرح جہاد بالمال بھی فرض ہے۔ جب دشمن سر پر آدھمکے تو طاقت والے کے لئے ضروری ہے۔ کہ میدان مقابلہ میں نکل آئے ورنہ اپنے بدلے میں کسی دوسرے کو مال دے کر بھیج دے۔ اس اندازِ بیان سے اس وہم کا ازالہ مقصود ہے کہ جو شخص جہاد بالنفس کی قدرت نہ رکھتا ہو اس سے جہاد بالمال بھی ساقط ہے۔ انسان کے لئے مال محبوب ترین چیزوں میں سے ہے۔ اس کی طلب میں وہ بڑے سے بڑے خطرے مول لے لیتا ہے بلکہ بعض اوقات اس راہ میں جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے مجاہدین کو اس قیمتی محبوب شئے کو اپنی راہ میں لٹانے کے لئے پہلے دعوت دی۔ پھر اس سے کامل اور اعلیٰ درجہ کی طرف ان کو بلایا یعنی خدا کی راہ میں جان جیسی پیاری چیز بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں حقیقت بھی یہی ہے کہ جان سے بڑھ کر محبوب شئے اور کیا ہو سکتی ہے۔ انسان اپنے اہل وعیال، مال ومتاع کی حمایت و مدافعت میں پورا زور صرف کرتا ہے۔ لیکن جب اس میں خود اس کی جان پر آ بنتی ہے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ خدا نے اس پر بس نہیں کی۔ کہ صرف مال طلب کرتا۔ بلکہ انسان کی سب سے پیاری چیز بھی طلب فرمائی۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے انسان مال خرچ کر کے نفس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب مال پاس نہیں رہتا تو پھر جان کی بازی لگا دیتا ہے اس ترتیب کا لحاظ قرآن میں بھی رکھا گیا ہے۔

سورہ توبہ کی آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی الآیۃ میں نفس کو مال سے پہلے لانے میں ایک خاص

حکمت ہے۔ یہاں اصل میں نفس ہی خرید اگیا ہے۔ بیع دراصل اسی پر واقع ہوتی ہے۔ اسی کے بدلے میں رضائے الٰہی اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مال کی حیثیت تو تابع اور مملوک سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جب اصل مالک مال نفس ہی خرید لیا گیا ہو تو نفس کی ہر چیز اسی خدا کی ہوگئی۔ اس مقصد کے پیشِ نظر یہاں نفس کو مقدم کرنا ہی مناسب تھا۔

الغفور الرّحیم | قرآن مجید میں سوائے سورۂ سبا کی ایک آیت کے سب جگہ الغفور کو الرحیم پر مقدم کیا گیا ہے۔ یہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ طبعی طور پر مغفرت کی طلب، رحمت سے پہلے ہوتی ہے۔ مغفرت نام ہے گناہ سے سلامتی اور نجات پانے کا اور رحمت سے مزید عنایت وغنیمت مراد ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ غنیمت سے پہلے انسان فطرۃً سلامتی کا خواہش مند ہوتا ہے۔

باقی رہی سورۂ سبا کی آیت تو اس میں الرحیم الغفور فرمانے میں دوسرا نکتہ ملحوظ ہے۔ پہلے پوری آیت اور سیاق وسباق پر نظر ڈالئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ (سبا ۱۔۲)	سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔ جس کے لئے وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور اسی کے لئے حمد ہے آخرت میں، وہ حکمت والا خبر والا ہے جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہ مہربان بخشش والا ہے۔

سورۃ کو حمد کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ یہ حمد خدا کی تمام صفات کمال وجمال کو شامل ہے۔ اس میں تمام علوم ومعارف سمٹ آئے ہیں۔ وہ ہر حال میں محمود اور قابلِ ستائش ہے۔ اس کا کوئی فعل، حکم اور قانون حکمت ومصلحت سے خالی نہیں۔ حمد کے بعد مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہہ کر اس کے ملک کی وسعت اور پھیلاؤ کو بتلایا گیا ہے۔ اور پھر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی حمد دائمی ہے۔ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اس کی حمد آخرت میں بھی اسی طرح جاری رہے گی۔

جس طرح یہاں جاری ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے حمد کا مستحق ہے۔ جب اس کی ذات کے لئے فنا نہیں تو اس کی حمد کب ختم ہو سکتی ہے؟ یہاں حمد اور ملک کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کا عام انداز ہے۔ حمد اور ملک جب الگ الگ بیان ہوتے ہیں۔ تب بھی اس کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور جب دونوں ایک ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ تو مزید کمال کی وضاحت ہوتی ہے۔ حمد بلا اقتدار وسطوت کمزوری کی علامت ہے۔ اور حاکمیت بلا حمد عاجزی اور غیر مقبولیت کی نشانی ہے۔ حمد مع اقتدار وحاکیت انتہائی کمال کی نشانی ہے۔ اسی طرح عزت، رحمت کے ساتھ، معافی، قدرت کے ساتھ اور تونگری سخاوت کے ساتھ اعلیٰ کمال کی علامت ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے ذکر سے پہلے بھی حمد کا ذکر ہے، اور بعد میں بھی۔ آخر میں اس کی دو صفتیں حکیم وخبیر مذکور ہیں۔ صفت حکیم ارادہ کے کمال کو بتلاتی ہے۔ اور یہ کہ اس ارادہ کا تعلق مقصود سے نہایت گہری حکمت ومصلحت کی بنا پر ہے۔ اور صفت خبیر اس کے کمالِ علم کو ظاہر کرتی ہے۔ جس طرح وہ ظاہری حالات جانتا ہے، اسی طرح باطنی اور اندرونی احوال سے بھی باخبر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی حمد، بادشاہت، حکمت اور علم کو نہایت مناسب انداز سے آیت کی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ بعد والی آیت میں اس کے علم کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں کہ اس کے علم سے آسمان وزمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر آیت کو ایسی دو صفتوں کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔ جو مخلوق پر اس کی انتہائی شفقت ومہربانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ یعنی الرحیم الغفور صفت رحمت کا تقاضا ہے کہ کامل طور بندوں کو نفع پہنچایا جائے۔ اور صفت مغفرت کا تقاضا ہے کہ ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے۔ یہ آیت اس کی رحمت، علم، حاکمیت اور مغفرت کی وسعت کو بتلا رہی ہے۔ قرآن نے بارہا علم ورحمت کی وسعت کو یکجا بیان کیا ہے۔ فرمایا:۔

وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا۔ اے ہمارے رب تو ہر چیز پر علم ورحمت سے چھا گیا ہے۔

اسی طرح علم وحلم کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان صفات کا حسین معانی یکجا ہونے سے اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ حاملانِ عرش فرشتوں میں سے دو کی دعا یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ۔ اور دو فرشتوں کی دعا یہ ہے:۔

لَكَ الْعَفْوُ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔ معانی کے ساتھ قدرت کا ذکر وہی حسن رکھتا ہے جو علم ورحمت کے ساتھ علم کے بیان سے نمایاں ہوتا ہے۔ قدرت کے ہوتے ہوئے معاف کرنا اصل کمال ہے۔ اسی طرح علم کے ساتھ نرمی اور بردباری برتنا اعلیٰ خوبی ہے۔ یہاں الرحیم کو اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ پہلے صفت علم کا ذکر ہے۔ اس ترتیب سے علم ورحمت دونوں کا بیان ایک ساتھ ہوگیا جیساکہ اس آیت میں ہے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا۔ پھر آیت کو صفت مغفرت پرختم کیا یہ صفت ازالہ شر پر مشتمل ہے، جس طرح کہ رحمت حصول خیر کو شامل ہے۔ عام طور پر شر ومصیبت کا ازالہ حصول خیر سے پہلے مطلوب ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن میں اکثر جگہ الغفور کو الرحیم سے پہلے لایا گیا ہے۔ یہاں ماقبل کی مناسبت سے الرحیم کو پہلے ذکر کرنا ہی موزوں تھا۔

لہ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام ۱۵۱) "اور اپنی اولاد کو فقروفاقہ کی بنا پر قتل مت کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی"۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ۔ پہلی آیت میں ضمیر مخاطب (کُمْ) پہلے اور ضمیر غائب (ہُمْ) بعد میں مذکور ہے لیکن دوسری آیت میں اس کے برعکس ہے۔ یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفس افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ دوسری چیز ہے خوف افلاس یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں، لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہوگئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی۔ قرآن مجید نے ان دونوں نفتوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر محض "من املاق" لایا گیا ہے۔ اور آخر الذکر کے موقع پر "خشیۃ املاق" بیان کیا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے، لیکن جہاں "من املاق" ہے (یعنی افلاس فی الحال موجود ہے) وہاں خطاب براہ راست ہے۔ یعنی اسے گروہ والدین! تمہیں تو رزق بہرحال پہنچا ہی

لہ یہ اضافہ مترجم کی طرف سے کیا گیا ہے۔ یہ نکات تفسیر ابن کثیر مصری ج ۲ ص۱۸۸ اور تفسیر ماجدی ۲ ص۵۸۴ سے ماخوذ ہیں۔

رہے ہیں۔ اسی طرح تمہاری اولاد کو بھی پہنچاتے رہیں گے۔ اور جہاں "خشیۃ املاق" یعنی افلاس سردست موجود نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے، وہاں خطاب میں ایک ذرا سا لطیف و نازک فرق کر دیا ہے۔ نرزقہم وایاکم، ہم انہیں بھی رزق پہونچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں پہونچاتے رہے ہیں۔ اس موقع پر مندرجہ بالا آیت کی تفسیر و تشریح غیر موزوں نہ ہوگی۔ یہاں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے جو نسل گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق، یہ قتل اولاد کی ملعون رسم دخترکشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر (افزائش نسل کو) روکنا ہے، افلاس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ فلاسفۂ مادیین اور منکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کہتے ہیں چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی مخفی و باریک صورت کی "منع حمل" کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے۔

مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا ہے "قتل اولاد یا منع حمل" کی تحریک اصلاً اسی کی چلائی ہوئی ہے۔ اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوف افلاس ملک ہے۔

بعض علماء سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل" کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔ وقد یستدل بهذا من یمنع العزل لان الوأد یرفع الموجود النسل والعزل منع اصل النسل فتشابها الا ان قتل النفس اعظم وزرا واقبح فعلا (قرطبی) (تفسیر ماجدی جلد ا صفحہ ۳۱۹)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (نساء ۱۳)

یعنی اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو۔ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ۸) اے ایمان والو اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے

اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، انصاف کرو انصاف تقوی سے بہت زیادہ قریب ہے" پہلی آیت میں قوامین بالقسط شہداء للہ فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ قوامین للہ شہداء بالقسط۔ معمولی غور و فکر سے اس فرق کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دوستی ہو یا دشمنی یہ یہ دونوں چیزیں انسان کو جادۂ انصاف سے ہٹا دیتی ہیں، سورہ نساء میں دوستی اور محبت میں غلو کی بنا پر انصاف کا دامن چھوڑنے سے روکا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ عدل و انصاف کے تقاضے انسان کی نگاہ سے اوجھل ہو جائیں، یہاں "بالقسط" ہی پہلے لانا موزوں تھا۔ سورۃ مائدہ میں دشمنی اور نفرت میں انتہا پسندی کی بنا پر ناانصافی کی راہ پر چلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس موقع پر جب کسی فرد یا قوم کا جذبۂ انتقام بھڑکتا ہے تو جان و مال اور ناموس کی تباہی اور بربادی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ حساس انسانیت اس صورتِ حال کو دیکھ کر چیخ اٹھتی ہے۔ اس کا ایک نمونہ تقسیم ہند کے موقع پر ۱۹۴۷ء میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ یہاں "للہ" پہلے لایا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر ظالموں کو ظلم و سفاکی سے روکا جائے اور اس کی پکڑ سے ڈرایا جائے اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا واتقوا للہ ان اللہ خبیر بما تعملون اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ کو پوری طرح خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔ سورۂ نساء میں بھی یہی صفت خبیر آخر میں بیان کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صفت خبیر انسان کے پیش نظر رہے تو ظلم و بے انصافی کی ایک مثال ہی دیکھنا نہ دیکھ سکے (ہذا ما خطر فی بالی واللہ اعلم وعلمہ اتم) واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تصحیح

میثاق جنوری ۱۹۶۲ء کے صفحہ ۲۲ پر وقالوا قلوبنا غلف کی تفسیر کے پہلے جملہ میں 'کفار' کے بجائے 'یہود' لکھ لیا جائے تبدیلی کے بعد یہ جملہ اس طرح ہوگا۔ "یہ قول یہود کی طرف سے بطور ایک عذر لنگ۔۔۔"

(ادارہ)

مقالات

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی

اتباعِ نفس

(۳)

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ذرا ایک نظر آج کل کے مذہبی اور سیاسی ٹھیکیداروں پر بھی ڈال لیجئے جن کے سینوں میں قوم وملّت اور دین و مذہب کا بڑا غم پایا جاتا ہے اور جو سارے جہاں کا درد اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ:

؎ کارِ گہ ان شعر سے پوچھے کوئی جگر — سب کچھ تو ہے مگر یہ کمی کیوں اثر نہیں ہے

علماء اور واعظین ہوں یا بلند ترین مقاصد رکھنے والی صالح جماعتیں، مختلف نعرے لگانے والی سیاسی جماعتیں ہوں یا دنیا کو امنِ عالم کی دعوت دینے والے افراد اور حکومتیں، دراصل سب کے دلوں میں شہرت، ناموری اور اپنی پاکبازی کا ادعاء پوشیدہ ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ سب خراجِ تحسین کے بھوکے معلوم ہوتے ہیں اور اسی چیز کا نام ہے نفس پرستی، خود غرضی اور خواہشات کی پیروی، نفس کا دغل و فریب ہر دل میں بار پاگیا ہے۔ نفس پرستی کی اس وبائے عام کے زمانہ میں اخلاص اور نیک نیتی اتنی کم ہے کہ کہیں نظر ہی نہیں آتی ورنہ نظامِ عالم اس طرح درہم برہم نہ ہوتا۔ عالمِ حیات کی کشاکشوں میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنھیں اپنا جان و دل عزیز نہ ہو اور وہ زندگانی کے معرکۂ کارزار میں ثابت قدم رہتے ہوں اور خدا پرستی کی تعلیم فراموش کرکے لذات اور شہوات کے دلدادہ نہ بن جاتے ہوں۔ بڑے بڑے مدعیانِ زہد و تقوےٰ اور اصحابِ سبحہ و سجادہ کی عبادتوں اور ریاضتوں کے در پردہ بھی نفس کے میلانات اور رجحانات کام کرتے نظر آتے ہیں۔

اِن کی گرمئ گفتار سے وعظ و ارشاد کی مجلسیں آباد و شاداب اور اُن کی زبانیں دوسروں کو اخلاص، نیک نیتی اور بے نفسی کی دعوت دینے پر بڑی تیز واقع ہوئی ہیں، لیکن خود اس دعوت و تعلیم کا وہ کوئی نمونہ نہیں پیش کرتے۔ علماء یہود کے اسی قسم کے ایک گروہ کے متعلق قرآن مجید نے کہا تھا۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ	کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے
وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ	ہو اور اپنے کو فراموش کئے جاتے ہو۔
الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔	حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا تم
(بقرہ۔ ۴۴)	سمجھتے نہیں؟

ایسے لوگوں کا سارا کاروبار نمائشی اور ان کا تمام زہد و اتقاء فریب اور اُن کی جملہ ملی و قومی غمخواری دکھاوے کے لئے ہوتی ہے۔ اُن کی خلوتوں اور جلوتوں میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

جس نفس کی دسیسہ کاریاں، تباہیوں اور گمراہیوں کا یہ حال ہو اور جس نے دین و ایمان کے لئے اتنی عظیم سازشیں کر رکھی ہوں، اس سے جس قدر حذر و اجتناب کیا جائے کم ہے۔ اِسی لئے اسلام نے اس سب سے بڑے فتنہ کی روک تھام کی پوری تدبیر کی ہے۔ اور نہایت شدت کے ساتھ اس کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے۔ آنحضرت صلعم اور اُن کی وساطت سے پوری امت کو نفس پرستی اور اس کے شائبوں تک سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن نے آپ کو بتایا ہے کہ جو صحیفہ الٰہی خدا نے آپ کو عطا کیا ہے، اس میں تجارت و سعادت کے جملہ سامان موجود ہیں۔ اِس لئے آپ صرف اسی چراغ بصیرت سے روشنی حاصل کیجئے اور اس کی بتائی ہوئی راہ مستقیم پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہئے۔ کسی اور چیز کی جانب نظر اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کی خواہشات و آراء سے بالکل حذر کیجئے کیونکہ وہ سب آپ کو گمراہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اِس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ ذیل میں چند آیات درج کی جاتی ہیں:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	ہم نے تم پر کتاب حق کے
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	ساتھ اُتاری ہے جو اپنے آگے کی

مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	کتاب کی تصدیق اور حفاظت کرنے
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ	والی ہے پس ان کے درمیان اسی سے
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا	فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے
جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ وَأَنِ احْكُمْ	اور اس حق سے ہٹ کر جو تمہارے پاس
بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ	آیا ہے ان کی خواہشات کی اقتدا نہ کرو
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ	اور اُن کے مابین اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی
أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا	ہدایت کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی
أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ	خواہشوں کو نہ مانو اور اس سے چوکنے رہو
(مائدہ ۴۸، ۴۹)	کہ مبادا وہ خدا کی اتاری ہوئی ہدایت کے
	کسی حصّہ سے تمہیں منحرف کر دیں۔

اس آیت میں آنحضرت صلعم سے کہا گیا ہے کہ آپ کو جو کتاب دی گئی ہے وہ گذشتہ کتابوں کی پیشگوئی کے مطابق ہے اور اُن کی محافظ ہے۔ اس لئے اسی کے فیصلوں اور احکام کی پابندی کیجئے، اور اُن لوگوں کی خواہشات میں نہ پڑ جائیے ورنہ یہ آپ کو راہ راست سے منحرف کر دیں گے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ	ان لوگوں کی خواہشات کے
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا	پیچھے نہ پڑو جو ہماری آیتیں جھٹلاتے
يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ	آخرت کا انکار کرتے اور اپنے رب
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۔ (انعام ۱۴۹)	کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں۔

یعنی مکذبین، عقیدہ آخرت کے منکرین اور خدا کا مقام نہ پہچاننے والوں کی خواہشات کے پیچھے نہ پڑیئے۔ سورہ رعد میں فرمایا۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ	اگر تم نے علم پانے کے بعد بھی
بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	اُن کی خواہشوں کو مانا تو تمہارا اللہ
مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ	کی طرف سے کوئی مددگار اور معاون

وَلَا نَصِيْرٍ (رعد ۳۷) نہ ہوگا۔

یعنی خدا کی طرف سے علم و ہدایت پا جانے کے بعد لوگوں کی خواہشات میں پڑنا خدا کی مدد و نصرت سے اپنے کو محروم کر دینا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا	اس کی بات نہ مانو جس کے
قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ	دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر
هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا	دیا ہے اور اُس نے اپنی خواہش کو مانا
(کہف ۲۸)	ہے اور اُسکا معاملہ حد سے متجاوز ہے۔

سورہ شوریٰ اور جاثیہ میں بڑی محکم اور جامع تعلیم دی گئی ہے کہ :-

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ	اسی جادہ مستقیم کی طرف بلاؤ
وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ	اور جس طرح حکم دیا گیا ہے مضبوطی
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ	سے جم رہو۔ اور اُن کی خواہشات
(شوریٰ ۱۵)	کی پیروی نہ کرو۔

یعنی دین حق کی طرف دعوت دیجئے اور اسی پر قائم رہئے۔ لوگوں کی خواہشات اور میلانات میں نہ پڑیئے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى	ہم نے تم کو ایک دین کے
شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا	ایک طریقہ پر قائم کیا ہے پس اسکی
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ	پیروی کرو۔ اور (حقیقت) نہ جاننے
لَا يَعْلَمُوْنَ (جاثیہ ۱۸)	والوں کے میلانات کے پیچھے نہ جاؤ۔

سب سے زیادہ نازک موقع اور خواہشات میں پڑ جانے کا اندیشہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کا اپنا یا اپنے اعزہ اور متعلقین کا کوئی معاملہ درپیش ہو۔ اُس وقت وہ چاہتا ہے کہ عدل و انصاف کو نظر انداز کر کے اس کے اور اس کے متعلقین کے حق میں اسکی خواہش اور مرضی کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ بعض اوقات وہ اپنی نیکی اور مروّت کی بنا پر بھی کوئی غلط فیصلہ چاہتا ہے۔ اِس لئے کہ اگر صحیح فیصلہ ہوگیا تو ایک محتاج اور ضرورت مند شخص کو

تکلیف ہوگی۔ قرآن مجید نے فطرتِ انسانی کی اس کمزوری کا صحیح اندازہ لگانے کے بعد ایسے شدید اور نازک مواقع پر بھی نفس پرستی کے دام میں پھنسنے سے روکا اور حق پرستی اور انصاف و عدل پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	ایمان والو انصاف پر قائم ہو
کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ	جاؤ، اللہ کے لئے شہادت دیتے ہوئے
شُھَدَاۤءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ	چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین
اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ	اور اقربار کے خلاف ہی ہو۔ اگر کوئی مالدار
اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا	یا محتاج ہے۔ تو اللہ اس کا زیادہ حقدار
فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا	ہے پس خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ
تَتَّبِعُوا الْھَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا وَ	حق سے منحرف ہو جاؤ۔ اور اگر تم کج بیانی
اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ	کروگے یا پہلو تہی کروگے تو بلاشبہ اللہ
اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا	تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھنے
(النساء ۱۳۵)	والا ہے۔

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کے لئے شرک کی طرح مخفی خواہشات کو بھی نہایت خطرناک چیز بتایا ہے۔

عن شداد بن اوس	شداد بن اوس سے روایت ہے
انہ بکی فقیل لہ ما	کہ وہ رو رہے تھے۔ تو اُن سے دریافت
یبکیک قال شیئًا سمعتہ	کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں اُنہوں نے
من رسول اللہ یقول فذکرتہ	جواب دیا کہ میں نے ایک چیز رسول اللہ
فابکانی سمعت رسول اللہ یقول	سے سنی تھی۔ اُسی کو یاد کر کے رو رہا
اتخوف علی امتی الشرك	ہوں۔ رسول اللہ سے میں نے یہ فرماتے
والشھوۃ الخفیۃ	سنا ہے۔ کہ میں اپنی اُمت کیلئے شرک
(مسند احمد جلد ۴ صفحہ نمبر ۱۲۴)	اور مخفی شہوت سے بہت ڈرتا ہوں۔

مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں "اخوف ما اخاف" یعنی سب سے زیادہ خطرناک چیز کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اسی لئے امت کے صلحا اور اتقیاء نے ہمیشہ خود اصحاب ہوا کی ہمنشینی اور اختلاط سے پرہیز کیا ہے۔ اور لوگوں کو بھی اُن کی مصاحبت اور مجالست اور ان سے بحث وجدال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سنن دارمی میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ذیل میں چند روائتیں اور اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

من اراد ان یکرم	جو شخص اپنے دین کو باعزت
دینہ فلا یدخل علی السلطان	رکھنا چاہے۔ تو وہ سلاطین کے پاس
ولا یخلون بالنسوان ولا یخاصمن	نہ جائے اور عورتوں سے خلوت میں
اصحاب الاھواء (باب من قال	نہ ملے اور نہ خواہشات والوں سے
العلم والخشیۃ وتقوی اللہ)	بحث کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے:۔

اذا رأیت قوما یتنجون	جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو
بامر دون عامتھم فھم علی	عام لوگوں کے برعکس نتائج نکالتے ہوں
الضلالۃ (باب فی اجتناب اھل الاھواء)	تو انھیں گمراہی اور ضلالت پر سمجھو۔

مشہور تابعی مفسر مجاہد کا بیان ہے:۔

ما ادری ای النعمتین	میں نہیں جانتا کہ خدا کا مجھ پر
علی اعظم ان ھدانی	کونسا انعام زیادہ بڑا ہے آیا یہ کہ اس
الاسلام او عافانی من	نے مجھے اسلام کی توفیق دی یا ان مذموم
ھذہ الاھواء (ایضا)	خواہشات سے بچایا۔

ابن سیرین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دو اہل ہوا اُن کے پاس آئے اور اُنہوں نے اُن سے کہا اے ابو بکر کوئی حدیث بیان کیجئے۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ ان دونوں نے کہا تو ہمیں کوئی آیت پڑھنے دیجئے۔ ابن سیرین نے جواب دیا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں خود

اُٹھ جاؤں گا، چنانچہ وہ دونوں چلے گئے۔ یہ دیکھ کر حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس میں کیا حرج تھا کہ وہ کوئی آیت آپ کے سامنے پڑھتے۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ وہ کوئی آیت ہیر پھیر کر پڑھ دیں اور وہ میرے دل میں مستحکم ہو جائے۔

ابن سیرین اور حسن دونوں سے مروی ہے:۔

لا تجالسوا اصحاب الاھواء ولا تجادلوھم ولا تسمعوا منھم (باب اجتناب اھل الاھواء والبدع والخصومة)	خواہشات والوں کے پاس نہ بیٹھو، نہ اُن سے بحث کرو۔ اور نہ اُن کی باتیں سنو۔

ابو قلابہ کہتے ہیں۔

لا تجالسوا اھل الاھواء ولا تجادلوھم فانی لما امن ان یغمسوکم فی ضلالتھم او یلبسوا علیکم ما کنتم تعرفون (ایضاً)	اہل الہواء کی مجالست نہ اختیار کرو۔ اور نہ اُن سے بحث مباحثہ کرو۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنی ضلالت میں تمہیں بھی لے ڈوبیں گے یا تم پر تمہاری جانی بوجھی چیزوں کو گڈمڈ کر دیں گے۔

اس طرح کی بے شمار روائتیں ہیں۔ لیکن اُن کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔ اس مختصر توضیح سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ خواہشات کی پیروی کرنا کتنی شدید گمراہی ہے۔ اور خواہشات کو معبود بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے خدا پرستی ترک کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا پرستی اور نفس پرستی دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے اور انسان یا تو خدا کا اطاعت گزار اور بندہ ہوگا یا نفس کا غلام اور پیرو۔ بڑے اولوالعزم اور صاحب کمال ہیں وہ لوگ جو خدا پرستی اور نفس پروری کے تصادم میں خدا پرستی کو اختیار اور نفس پرستی کے معمولی شائبوں اور گمراہیوں سے پرہیز کرتے ہیں اور اہل ہوا اور ارباب نفس سے ہر قدم پر اپنا دامن بچا بچا لیتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جس اُمت کو

اجتناب ہواء کی اِس قدر شدت سے تاکید کی گئی تھی وہ خود خواہشات کے دامِ فریب میں پھنس گئی ہے۔ اور ہمیشہ کتاب وسنت کے واضح اور صریح احکام کے باوجود اپنے نفس کے عقاید ومزعومات کو اُن پر ترجیح دیتی ہے۔ کتنے فرقے اور جماعتیں بنالی گئی ہیں اور وہ سب بزعمِ خویش حق ہی پر ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے آرا اور ذاتی خیالات کی پابند اور اُنکی غلام ہیں اور اپنے مطلب وموقف کی تائید کے لئے قرآن وحدیث میں کتربونت کرنے کے لئے تیار ہوجاتی ہیں نفس نے ترقی وتجدد کے نام پر کیسے کیسے ادارے اور اسلام کے خلاف حصاریں تعمیر کردی ہیں۔ عقیدہ وخیالات، فکرونظر اور قلب ودماغ کا کونسا گوشہ ہے، جہاں نفس نے اپنا گھروندا نہیں بنایا ہے۔ ہم اپنے کو اور سب کو اپنے اعمال کا جائزہ اور نفس کا احتساب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس اُمت کے لئے اس سے زیادہ ہولناک اور شدید کوئی اور فتنہ نہیں ہے۔ نفس کی اِتباع سے دست بردار ہو کر ہی یہ امت تباہیوں اور گمراہیوں سے نجات پاسکتی ہے۔

بقیہ از صفحہ ۵۶

گئے ہیں۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ مصنف خود اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے کہ ان میں درست تاویل کونسی ہے ترجیح تاویل کے اصول کیا ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب اس تبصرہ میں دینا مشکل ہے۔ شاید ادارۂ میثاق آئندہ اشاعتوں میں افاداتِ فراہیؒ کے باب میں اس کی وضاحت کرسکے گا۔

ویسے فاضل مصنف نے اسلوب بیان ایسا رکھا ہے کہ عربی سے ناواقف لوگ بھی ان کی اس کتاب سے فائدہ اٹھاسکیں۔ ہر سورہ میں پہلے مشکل الفاظ کے معانی ہیں، پھر سورہ اور اس کا ترجمہ، اس کے بعد توضیح، جس میں سورہ کا شان نزول وغیرہ درج ہے اور آخر میں تشریح اور سورہ کا بنیادی مطلب دیا گیا ہے۔

کتاب میں غلطیاں کافی رہ گئی ہیں اور اس کی تقطیع خلاف معمول تقریباً مربع شکل کی ہے کتاب میں مصنف کا یہ اعلان درج ہے کہ اس سے وصول شدہ رقم تعلیم قرآن کی اشاعت کے لئے وقف کردی گئی ہے۔ (خ۔م)

اقتباسات وتراجم

ادارہ اجمل باغ

انگریزوں کا جذبہ انفاق ؟

یہ مضمون انگریزی کے ایک آرٹیکل "غیر محدود سخاوت" سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ سردار محمد اجمل خاں صاحب لغاری نے اپنی بستی "اجمل باغ" میں جو تعلیم گاہ قائم کی ہے، یہ مضمون اسی تعلیم گاہ کے کارکنان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ محترم موصوف نے یہ اطلاع دی ہے کہ وہ آئندہ بھی اپنے ادارہ کی طرف سے مفید مضامین میثاق کو بھجواتے رہیں گے۔ ہم اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہیں اور قارئین میثاق کی طرف سے صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ تعلیم گاہ کی طرف سے موصولہ تمام مضامین کے ساتھ "ادارہ اجمل باغ" لکھا جایا کرے گا۔	ادارہ

ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں ایک سوال یہ پایا جاتا ہے کہ ہماری قوم جسے دنیا بھر کی امامت کے لئے پیدا کیا گیا تھا، سیاسی دنیا میں ذلیل ہو کر رہ گئی ہے؟ اس کی سربلندی اب صرف ماضی کا ایک فسانہ کیوں بن گئی ہے؟ مذہب سے باغی اور آسمانی ہدایت کے بجائے اپنی مرضی پر چلنے والی قومیں عروج پر کیوں ہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور ہر سمجھدار آدمی کے لئے یہ خاصا پریشان کن بھی ہے۔ اس سوال کے پیدا ہونے کی وجہ بھی بالکل فطری سی ہے کہ مسلمان خدا کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ایک فرض عین سمجھتے ہیں۔ خدا سے اس تعلق کی بنا پر وہ خدا کے تمام وعدوں کا مستحق اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور یہ توقع نہیں رکھتے کہ ان کے علاوہ کسی دوسری قوم کو بھی خدا سربلند کرے گا۔ اگر امر واقعہ یہ ہو کہ خدا و رسول کی مخالفت کرنے والے لوگ دنیا کے سربراہ بن جائیں تو یہ چیز قدرتی طور پر ان لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا کرنے والی ہے جو دین کو ماننے والے ہیں۔

اس سوال کا جواب کیا ہونا چاہیئے ؟ یہ ایک توضیح طلب مسئلہ ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا ایک اہم پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ مسلمان قوم نے اپنے دین کی متعدد تعلیمات کو اپنی اجتماعی زندگی میں قرار واقعی اہمیت نہیں دی ۔ ان کا قومی کردار کچھ اس طرح کا بن گیا ہے کہ اس وقت یہ عملی سے زیادہ نظریاتی ہیں ۔ اس کے برعکس بعض دوسری قومیں گو نظریاتی اعتبار سے بڑی گمراہیوں میں مبتلا ہیں لیکن اپنے قومی و اجتماعی تقاضوں کے تحت عملی اعتبار سے کئی خوبیوں کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ چونکہ قوموں کے عروج کا انحصار دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ ان کی عملی جدوجہد پر بھی ہے ۔ اس لئے مسلمان دین کو ماننے والے ہونے کے باوجود اپنی بے عملی کی بنا پر پیچھے رہ جاتے ہیں اور دوسری قومیں اپنی ساری بداعتقادیوں کے باوجود اخلاق و کردار کے بعض روشن پہلوؤں کی بنا پر بین الاقوامی زندگی میں مسلمانوں سے سبقت لے جاتی ہیں ۔

مسلمانوں اور دوسری قوموں کے عمل کے تفاوت کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں زکوٰۃ و صدقات کا شریعت نے باقاعدہ ایک نظام قائم کیا ہے جس کے تحت امیروں کی دولت ، غریبوں ، محتاجوں ، یتیموں ، بیواؤں اور حاجت مندوں کی امداد کے لئے جمع ہوتی اور تمام اہم مصارف میں خرچ ہوتی ہے لیکن دیکھا جائے تو اس ہدایت کے باوجود عملاً ایسا کوئی نظام مسلمانوں کے ہاں موجود نہیں ، اگرچہ بعض نیک لوگ انفرادی طور پر صدقات و زکوٰۃ کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس انگریزوں کے ہاں کوئی مذہبی ضابطہ ایسا نہیں کہ وہ اس طرح کا کوئی نظام قائم کرنے پر مجبور ہوں لیکن اس قوم نے ضرورت محسوس کر کے صدقہ و خیرات کی جو روایات قائم کر رکھی ہیں ، ان پر واقعی رشک آتا ہے ۔

ایک انگریز مصنف مسٹر ڈڈلے بارکر (DUDLEY BARKER) نے اپنے مضمون بعنوان "غیر محدود سخاوت" (GENEROSITY UNLIMITED) میں انگریز قوم کی رفاہی کاموں کی کوششوں اور ان کے لئے ملک کے مختلف طبقوں کے عطایا کا ذکر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں

"اس سال برطانیہ میں تقریباً چالیس لاکھ آدمیوں نے خیرات وصول کرنے کا کام کیا ۔ انہوں نے جھنڈیاں فروخت کیں ، ہینڈ بل تقسیم کئے ، چٹھیاں لکھیں اور گھروں ، دفتروں اور کارخانوں میں گئے ۔ ان میں سے تقریباً پانچ لاکھ آدمیوں نے صلیب احمر کی اعانت کا کام کیا ، تین لاکھ آدمی نومبر کی سردی میں سڑکوں پر پھرے اور پھول

فروخت کرکے برطانوی سپاہیوں کے لئے دس لاکھ پونڈ فراہم کئے ۔ دوسرے بیشمار شہریوں نے ملک کے ڈیڑھ لاکھ خیراتی اداروں کی مدد کی ۔ ان اداروں کی ملکیت میں بے حساب زرعی رقبہ کے علاوہ تقریباً بیس کروڑ پاؤنڈ کا سرمایہ ہے اور اس پورے سرمایہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ خیراتی کاموں میں صرف ہوتی ہے ۔ برطانوی باشندے اوسطاً ہر ہفتہ میں دس نئے خیراتی ادارے کھولتے ہیں "

مصنف نے لکھا ہے کہ خیرات جمع کرنے کی یہ روایت ملکہ الزبتھ اول کے عہد سے شروع ہوئی اور گزشتہ سال اس میں لوگوں نے بارہ کروڑ پونڈ چندہ دیا۔ اس چندے کا بیشتر حصہ (تقریباً دس کروڑ پونڈ) انفرادی چندوں کے ذریعہ اکٹھا ہوا ، ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ پونڈ اس سرمائے نے کمائے جو ان اداروں کی ملکیت ہے اور چالیس لاکھ پونڈ ملک کے پانچ بڑے تجارتی اداروں نے دیا ۔ تجارتی اداروں کی امداد کو مصنف نے خوب سراہا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

" برطانوی خیراتی کاموں کی بڑی خصوصیت تجارتی اداروں کا باقاعدہ ان میں حصہ لینا ہے اور بالخصوص تعلیمی کاموں پر اور یہ کوئی نئی بات نہیں ۔ ان اداروں نے اپنے پیش رو لوگوں کی روایات کو زندہ رکھا ہوا ہے ۔ دولت مند اور فیاض طبقہ تجار نے علمی اشاعت کے کاموں میں اس سے پہلے بڑا کام کیا ہے ۔ آج کل بھی انفرادی خیرات کی بیشتر رقوم جو تجارتی اداروں سے حاصل ہوتی ہیں ، بہت سی یونیورسٹیوں کو دی جاتی ہیں اور یہ رقوم ان کے سالانہ بجٹ کا دس فیصد حصہ بن جاتی ہیں "

خیرات کا یہ روپیہ ایک تہائی تعلیم پر ، ایک تہائی سے کچھ زیادہ بیماروں اور غریبوں کی دیکھ بھال اور طبی تحقیقات کے کاموں پر اور بقایا ایک چوتھائی تبلیغ مسیحیت اور دیگر مذہبی امور پر خرچ ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ برطانیہ کا باشندہ جتنا بھی مادیت پرست اور چرچ سے متنفر ہو پھر بھی تبلیغ مسیحیت کے کام سے اسے اتنی دلچسپی ہے کہ دوسرے ضروری کاموں کے ساتھ اس کام کو بھی برابر کی اہمیت دیتا ہے مصنف نے خیراتی رقوم کے بارے میں بعض دلچسپ انکشافات بھی کئے ہیں ۔ مثلاً لکھتے ہیں ۔

" بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی خیراتی رقوم نے ہمیشہ یاد رہنے والے نتائج دکھلائے ہیں ۔ آج سے تیس سال قبل کی بات ہے کہ چند دوستوں نے آکسفورڈ ٹرسٹ کو اتنی رقم دی

جس سے اس نے لندن کے سینٹ میری ہسپتال میں ایک خالی وارڈ کو ایسے ساز و سامان سے لیس کر دیا کہ اس میں ٹیکے لگانے کا محکمہ قائم ہو جائے۔ آگے چل کر اسی وارڈ میں اس کے ایک ماتحت الیگزنڈر فلیمنگ نے پنسلین ایجاد کی۔"

۱۹۳۹ء میں لارڈ نفیلڈ نے ایک صوبائی ہسپتالوں کا ٹرسٹ قائم کیا اور اس کے نام سے اپنی موٹر کمپنی کے دس لاکھ حصص خرید کر لئے۔ وزارت صحت کی طرف سے اس ٹرسٹ نے صوبہ بھر میں طبی اداروں کا جائزہ لیا ..... جس کے نتیجہ میں "نیشنل ہیلتھ سروس" کے نام سے ایک سرکاری ادارہ قائم کیا گیا جس نے اس ٹرسٹ کی رپورٹ کے مطابق پورے صوبہ میں طبی اقدامات کی تنظیم نو کی۔"

معمولی چندے جمع ہو کر کتنا کام کر جاتے ہیں؟ اس کا اندازہ مصنف کے اس قول سے ہو سکتا ہے کہ مرض سرطان کے خلاف جو کچھ اقدامات برطانیہ میں ہو رہے ہیں، ان کا بڑا حصہ ایک ایسے ادارہ نے کیا ہے جو عوام کے معمولی چندوں سے چل رہا ہے۔ اس ادارہ کو عوام ایک پنس سے لے کر ایک یا دو پونڈ فی کس چندہ دیتے ہیں۔ مصنف کے قول کے مطابق پچھلی جنگ عظیم سے لے کر اب تک اس ادارہ نے پچپن لاکھ پونڈ کی خطیر رقم جمع کر کے سرطان کے مقابلہ میں خرچ کی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں انفرادی زکوٰۃ سے وہ نتائج پیدا نہیں ہو رہے ہیں جو اجتماعی نظام سے ظاہر ہوتے ہیں؟ ورنہ اگر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سوسائٹی کا غریب طبقہ زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کے نظام سے ترقی کر سکتا تھا تو اس زمانہ میں ایسا ہوتا کیوں ناممکن سمجھا جاتا ہے؟

دینی اور علمی کتابیں

جب بھی آپ کو کسی ادارہ یا پبلشر کی شائع کردہ کسی دینی اور علمی کتاب کی ضرورت ہو تو ہمیں آرڈر دیں۔ فرمائش کی فوری تعمیل کی جائے گی۔

منیجر مکتبہ میثاق۔ رحمان پورہ۔ اچھرہ۔ لاہور ۱۲

تقریظ و تنقید

آسان قرآن

تالیف : محمد حسام الدین خان غوری

شائع کردہ : دار الادب پاکستان - پٹیل پاڑہ کراچی ۵

ضخامت : ۱۹۲ صفحات - قیمت : تین روپے

یہ کتاب سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی آخری انیس (۱۹) سورتوں کی تفسیر ہے - اس کے مقدمہ میں فاضل مصنف نے اس بات پر بڑا افسوس کیا ہے کہ مسلمانوں میں تدبر قرآن کا کوئی شوق نہیں پایا جاتا اور خدا کی یہ کتاب جس اہمیت کی حامل تھی، اس کے مطابق اس پر توجہ نہیں کی گئی -

اسی مقدمہ میں فاضل مصنف نے کتاب لکھنے کا مقصد بھی واضح کیا ہے - انہیں ایک عرصہ تک قرآن مجید کی متداول تفاسیر کے مطالعہ کا موقع ملا لیکن وہ ان تفاسیر کے انداز سے مطمئن نہیں ہوئے - بالآخر کسی موقعہ پر انہوں نے مولانا ابوالکلامؒ کی اس رائے سے بہت اثر لیا کہ قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحات میں تلاش کرنی چاہیئے - چنانچہ مصنف نے اسی اصول پر قرآن مجید کا از سر نو مطالعہ کیا اور اپنا نتیجۂ فکر 'آسان قرآن' کے صفحات میں پیش کیا -

جہاں تک اس اصول کا تعلق ہے کہ قرآن کی حقیقت قرآن ہی میں تلاش کرنی چاہیئے ہم اسے تدبر قرآن کی راہ میں پہلا رہنما اصول سمجھتے ہیں - قرآن کی تاویل کے اختلافات کو ختم کر کے ایک ہی قابل قبول تاویل کی طرف رہنمائی کرنے والا اصول یہی ہے - فاضل مصنف نے اس اصول سے کافی فائدہ اٹھایا ہے اور بعض سورتوں کی اچھی تفسیر لکھی ہے - لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ یا تو انہوں نے آیات قرآنی کا مکمل استقصاد نہیں کیا یا اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے - اس وجہ سے ہمیں تفسیر میں کئی خامیاں نظر آتی ہیں - ان کی وضاحت ہم چند مثالوں سے کرتے ہیں

لیلۃ القدر کے معروف معانی کے علاوہ وہ اس سے تاریک زمانہ بھی مراد لیتے ہیں۔ معلوم نہیں اس مفہوم کی دلیل ان کے پاس کیا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اگلی ہی آیت میں لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے اگر مصنف کی یہ تحقیق درست ہے تو تاریک زمانے کی ہزار مہینوں سے مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس آیت کی تفسیر اگر وہ سورۃ دخان آیت ۳ کی روشنی میں کرتے تو لیلۃ القدر سے تاریک دور مراد لینے کا احتمال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس آیت میں فی لیلۃ مبارکۃ کے واضح الفاظ آئے ہیں۔

سورہ علق کی تفسیر میں مصنف نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کا مطلب یہ لکھا ہے کہ انسان کی سرشت میں محبت و نفرت کا خاصہ رکھا گیا ہے۔ ہمیں اس ترجمہ کی بھی کوئی بنیاد نہیں مل سکی۔ اگر مصنف مذکورہ بالا اصول پر عمل کرتے تو بے شمار آیات انہیں اس آیت کے مجمل مضمون کو واضح کر دینے والی مل جاتیں۔ ان کے ہوتے ہوئے انہیں یہ دور از کار تاویل کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔

سورۃ الناس میں جنۃ سے خاص قسم کے آدمی مراد لینا بھی مذکورہ رہنما اصول کی خلاف ورزی ہے۔ قرآن نے جن کا جو مفہوم بتایا ہے وہ بالکل واضح ہے اور اس کے علاوہ کسی مفہوم کے لئے یہ لفظ نہیں آیا۔ حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں جن سے قوی ہیکل لوگ مراد لینا تجدد پسندوں کی اختیار کردہ تاویل تو ہے لیکن قرآن کی بتائی ہوئی خصوصیات یہ تاویل قبول نہیں کرتیں سورہ انعام کی آیت ۱۳۰ میں اس لفظ سے انسان مراد لینا بھی ہمارے نزدیک بالبداہت غلط ہے۔

"آسان قرآن" کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف مذکورہ اصول کے علاوہ تاویل قرآن کے کسی اور رہنما اصول تک نہیں پہنچ سکے۔ ہمارے نزدیک ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ تاویل کرتے وقت نظم کلام اور سیاق و سباق کا لحاظ بھی ضرور ہونا چاہیئے۔ اگر یہ اصول نظر سے اوجھل ہو تو بسا اوقات ایک آدمی کی برسوں کی تحقیق اس کے قرآن دانی کے زعم کو ختم کر دینے کا باعث ہو سکتی ہے۔ یہ اصول فاضل مصنف کے شاید پیش نظر نہیں رہا اس لئے بعض جگہوں پر ان کی دلیل کمزور ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر صلوٰۃ کے معنی وہ دعا یا نماز کے علاوہ ہم آہنگی بتاتے ہیں۔ اس

لحاظ سے جب وہ سورۃ توبہ کی آیت ۱۰۳ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "ان کے مالوں سے صدقہ لو، اس سے انہیں پاک وصاف کر سکو گے اور ان کے ساتھ ہم آہنگی کرو یقیناً آپ کی ہم آہنگی (تعاون) ان کے لئے سکون کا باعث ہے" تو اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، اوپر ان کی صفت یہ آئی ہے اِعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ آخَرَ سَيِّئًا (جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، انہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال ملا دیے) نبی کے لئے ان لوگوں سے ہم آہنگی کے پہلو مصنف کے نزدیک کیا ہیں؟ تبصرہ نگار یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس مقام پر اگر سیاق وسباق کا لحاظ رکھا جائے اور اعتراف گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی نفسیاتی اہمیت سمجھی جائے یا اس دعا میں ان کے لئے قلبی تسکین کا جو سامان تھا، اس پر غور کیا جائے تو صل علیھم کے معنیٰ ہم آہنگی کرنے کی ضرورت بالکل نہیں اور آیت کی تاویل واضح ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت سورۃ الناس کی تفسیر میں الوسواس الخناس کی تشریح کی ہے۔ فاضل مصنف کے نزدیک اس سے مراد فکر انسان کا بگاڑ بھی ہے، حالانکہ سیاق کلام اس تاویل کے خلاف ہے۔

اس طرح کی فروگذاشتوں کو دیکھتے ہوئے ہم فاضل مصنف کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے سابقہ فکر پر مزید نظر ثانی کر لیں اور اس نظر ثانی میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

ایک یہ کہ جب کسی مقام کی تاویل قرآن مجید کی دوسری نظیروں سے کریں تو آیات قرآنی کا مکمل استقصاء کریں اگر استقصاء میں خامی رہ جائے تو تحقیق ادھوری رہ جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ نظم قرآن کا پورا پورا لحاظ رکھیں۔ اس سے ہٹ کر تاویل کرنے میں قرآن کا منشا پورا نہیں ہوتا۔

تیسرے یہ کہ ترجیح تاویل کے اصولوں کو ملحوظ رکھیں۔ بعض اوقات ایک آیت کی بظاہر کئی تاویلیں ممکن ہوتی ہیں۔ مگر آیت کے سیاق وسباق میں ان میں سے صرف ایک تاویل کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں متعدد مقامات پر تاویل کے دو دو یا اس سے زیادہ احتمالات دیئے

(باقی بر صفحہ ۴۹)

محی الدین پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق ۵ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع کیا

Regd. No. L. 7360

Monthly **MEESAAQ** *Lahore*

MARCH, 1962

وہ سجدہ' روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی   اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

« المنبر »

جن فتنوں کے خلاف مصروف جہاد ہے :

o دین میں ترمیم و تحریف o انکار سنت o قادنیت o بہائیت

o عیسائیت o اشتراکیت o غیر اسلامی نظام o ظلم و استبداد

o انتشار و منافرت o گروہ بندی و عصبیت o فحاشی و عریانیت o وطن دشمنی

اگر آپ فکر و نظر کی گمراہی اور معاشرے کو اسلام سے منحرف کرنے والی ان برائیوں کے خلاف جد و جہد کرنا چاہتے ہیں تو " المنبر" آپ کا بہترین معاون ثابت ہوگا ۔

ہفت روزہ المنبر لائل پور

زیر ادارت :

عبدالرحیم اشرف

—" المنبر" کی ہر سطر دعوت الی اللہ اور اظہار حق کے لئے وقف ہے ' آپ " المنبر" کا مطالعہ فرمائیے ۔

—" المنبر" کا ہر شمارہ اسلام اور عالم اسلام کے مسائل سے بھرپور ہوتا ہے ۔

—" المنبر نے مکہ معظمہ ' بغداد ' استنبول ' ٹوکیو اور دوسرے اہم مقامات سے حالات و کوائف حاصل کرنے کا خصوصی اہتمام کر رکھا ہے اور متعدد ممالک میں المنبر کے خصوصی نمائندے مقرر ہیں ۔

—" المنبر" کے ذریعہ خدا کے دین کی منادی ہر شخص اور ہر گھر تک پہنچانے کے لئے ز تبادلہ نصف کر دیا گیا ہے ۔ آپ صرف چار روپے ادا کرکے سال بھر کے لئے " المنبر" طلب فرما سکتے ہیں ۔

مینجر « المنبر» پوسٹ بکس ۱۰۱ ۔ لائل پور

ہندوستانی احباب اپنا زر سالانہ دفتر " الفرقان " کچہری روڈ لکھنؤ—ارسال فرمائیں

سرورق جدید اردو ٹائپ پریس لاہور میں طبع ہوا